ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور



کی اشاعت بڑھا کر ثوابِ دارین حاصل کریں (اشتہار)

شمارہ ۲۶ اگست ۱۹۶۶ء
سلسلہ ۶۱

خصوصی اشاعت

روزہ کا حقیقی مقصد

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ جھوٹ بولنا اور لغو کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی کچھ ضرورت نہیں کہ روزہ کا نام کر کے وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

دین اسلام کے پانچ بڑے ارکان میں سے ایک رکن روزہ ہے۔ دوسرے ارکانِ اسلام کی مانند اس سے بھی مقصود انسانی تزکیۂ نفس ہے تاکہ انسان نیکی کی طرف مائل ہو اور برائی سے بچے۔

روزہ کا فریضہ تقریباً ہر امت میں رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی کبھی کبھی روزے رکھا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ آپؐ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ اس تاریخ کو بنی اسرائیل نے فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات پائی تھی۔ اور فرعون غرق ہوا تھا۔ اس لیے ہم اس خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر مجھے تو سب سے پہلے یہ روزہ رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ آپؐ محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

رمضان کے روزوں میں بہت سی حکمتیں اور برکتیں ہیں روزہ کے فضائل ان گنت ہیں۔ روزہ سے انسان میں تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے اور بری عادتوں اور برے اخلاق سے پرہیز کرتا ہے۔ صبح سے شام تک فاقہ سے رہنے سے صبر و استقامت کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ غریبوں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لو لگانے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

ارشادِ نبویؐ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کا تقویٰ پسند ہے۔ محض اس کا بھوکا پیاسا رکھنا مقصود نہیں۔

روزہ ڈھال ہے

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَّا لَمْ یَخْرِقْھَا۔

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا۔ فرماتے تھے کہ روزہ آدمی کے لیے ڈھال ہے جب تک اسے پھاڑ نہ ڈالے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی اہمیت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روزہ دار کی ڈھال ہے۔ گویا جس طرح آدمی ڈھال سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح روزہ دار روزہ کی مدد سے اپنے دشمن یعنی شیطان سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

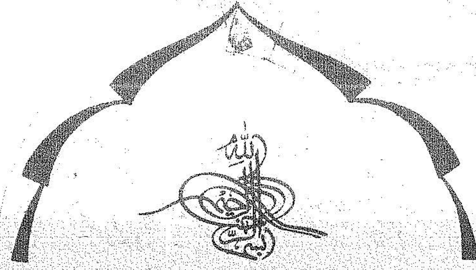
دوسری روایت میں آتا ہے کہ روزہ اللہ کے عذاب سے حفاظت ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا۔ اے رسول اللہؐ روزہ کس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جھوٹ اور غیبت سے۔

آج کل روزہ کاٹنے کے لیے مشغلہ اسے قرار دیا جاتا کہ گپ شپ کی جائے، جھوٹی اور سچی کہانیاں سنی اور سنائی جائیں۔ حالانکہ یہ سب ناجائز ہیں۔

علماء کرام نے روزہ کے آداب میں چھ باتیں بتائی ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہیں۔

(۱) نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے بے محل کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز پر نہ پڑے جو دل کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کر دے۔ (۲) زبان کی حفاظت۔ جھوٹ، چغل خوری، بکواس غیبت، بدگوئی، جھگڑا وغیرہ سب اس میں



سلسلہ مطبوعات نمبر ۶۱ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رئیس الادارہ: جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور ○ رئیس التحریر: حضرت مولانا مفتی محمود ○ مدیر: محمد سعید الرحمن علوی

محتویات

اور بعض دوسرے مضامین شریک اشاعت ہیں

قیمت : ۳ روپے

ناشر: (مولانا) عبید اللہ انور

شیخ التفسیر قدس سرہٗ

پندرہ سال قبل رمضان شریف کی سترہ تاریخ کو لاہور میں ایک جنازہ کا نظارہ چشم فلک نے کیا۔ ہر ناظر کی یہ شہادت تھی کہ یہ لاہور کا تاریخی جنازہ ہے۔ جنازہ کے اس جلوس میں ہر ذہن و مسلک کے لوگ شریک تھے — جھونپڑیوں میں بسنے والے مزدور کسان اور محلوں میں بسنے والے راجے مہاراجے، نمندار اور زمیندار شامل جنازہ تھے تو علماء و فقراء اور طلباء کی ایک عظیم جماعت بھی قطار اندر قطار موجود تھی۔ عدلیہ کے معزز ممبران، بار کے وکلاء، منڈیوں کے تاجر، غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔ اور سبھی کا یہ عالم تھا کہ گردنیں ادب و احترام سے جھکی ہوئی تھیں، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، زبانیں یادِ الٰہی میں مشغول اور آخرت کے اس مسافر کے تذکروں سے معمور!

یہ جنازہ تھا شیخ وقت، قطب عالم، مجاہد فی سبیل اللہ اور قرآن کے ایک مخلص مبلغ و خادم کا جنہیں دنیا عقیدت و احترام سے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے نام سے یاد کرتی ہے اور جن کے متعلق لاہور کے ایک مجذوب نے کہا تھا کہ

"اگر تمہیں زندہ علی ہجویری کو دیکھنا ہے تو شیرانوالہ جا کے دیکھو"

یہ انہی حضرت لاہوری رح کا جنازہ تھا جن کے نومسلم والد گرامی مرتبت نے اپنے لاڈلے کو "محرر" قرار دے کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

وہی امام لاہوری رح جن کی ابتدائی تربیت حضرت امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے سپرد ہوئی اور یہ ابتدا ایسی مستحکم ہوئی کہ پہلے کا تعلق جو محض عزیز داری کا تھا دینی تعلق میں تبدیل ہو گیا اور پھر پوری زندگی بڑھتا ہی چلا گیا۔

وہی شیخ لاہوری جن کا روحانی تعلق اپنے وقت کے دو عظیم قادری بزرگوں حضرت الشیخ المخدوم دین پوری اور حضرت الشیخ المخدوم امروٹی نور اللہ تعالیٰ مرقدھما سے تھا اور جس نے ان دونوں آستانوں سے اتنا استفادہ کیا کہ مربی بھی عش عش کر اٹھے: وقت کے یہ دونوں شیخ محض رسمی پیر نہ تھے بلکہ فی الحقیقت وہ صاحب سلوک و تصوف تھے۔ قرآن کے ارشاد "تزکیہ" کے رمز شناس، راتوں کو مصلّٰی پر اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر گزارنے والے، استبدادی طاقتوں کے جانی دشمن اور پنجاب و سندھ کے بے ننگ و نام پیروں کے برعکس اسلام کی عظمت و سربلندی اور ملت کی فلاح و بہبود کے لیے آتش نمرودی اور جبر فرعونی سے آنکھیں چار کرنے والے، جی ہاں انہی شیوخ نے امام لاہوری کو روحانی اعتبار سے پالا پوسا۔

علمی اعتبار سے مرشد لاہوری کو آخری درجہ فیض حاصل کرنے کا موقعہ اس عظیم المرتبت ہستی سے ملا جو صحیح معنوں میں شیخ عالم تھا اور جسے دنیا "شیخ الہند" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ وہی شیخ الہند جنہیں حضرت الامام گنگوہی قدس سرہٗ "علم کا کھٹلہ" فرماتے، وہی شیخ الہند جنہوں نے قاسمی علوم و معارف کے دریائے فیض سے جی بھر کر استفادہ کیا اور وہی شیخ الہند جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی "دارالعلوم دیوبند" میں مدتوں قال اللہ و قال الرسولؐ کا درس دیا۔ اور وہی شیخ الہند جو فرنگی استبداد سے ٹکراتے ہوئے زندہ جاوید ہو گئے۔

یہ جنازہ تھا اس مرد غیور و جسور کا جو اپنے اکابر کی اپناتے ہوئے دین و علم کی خدمت میں تمام عمر مصروف رہا، آزادی و استخلاص وطن کی خاطر جیل کی بلند و بالا دیواروں کے پیچھے زندگی کے مقدس لمحات

گزارتا رہا۔ جس نے شملہ، راہوں اور تھانہ نوکھا لاہور میں زہد و قناعت اور ایثار و قربانی کی نئی تاریخ مرتب کرتا رہا۔

جس نے کابل کی طرف ہجرت کرکے مہاجر مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا۔

جس نے چند مخلص رفقاء کی معیت میں لاہور میں انجمن خدام الدین کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا اور پھر اس ادارہ نے دین و علم کی جو خدمت کی اس کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے ایک جماعت درکار ہے جو مدتوں قلم و قرطاس کی دنیا میں بادیہ پیمائی کرکے اس داستان عشق و محبت کو رقم کرے۔

جی ہاں! یہ جنازہ تھا اس مردِ غیرت مند کا جس نے دینی قوتوں کو منظم کرکے جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم جدید کا بیڑا اٹھایا اور پھر اس سٹیج سے پاکستان کے برخود غلط حکمرانوں کو للکارا، ڈکا اور بالآخر انہیں جھکنے پر مجبور کیا۔

آج پندرہ سال بعد اس جنازہ کے مختلف مناظر سامنے ہیں اور ایسے کہ بھلائے نہیں جا سکتے۔ پھر چشم فلک نے عین غروب آفتاب کے وقت اس کی تدفین کے وقت جس طرح آنسو بہائے اس کے گواہ ہزاروں کی تعداد میں آج بھی موجود ہیں اور اس کی مرقد مبارک سے جو خوشبو کا چرچا ہوا تو ہزاروں نے دیکھا، سونگھا حتیٰ کہ اس مٹی کو محفوظ کر لیا۔

آج پندرہ سال گزر جانے کے بعد اس مردِ فقیر و قلندر کی یاد رہ رہ کر آرہی ہے کہ وہی تھا جس نے اس ملک میں انکارِ حدیث کے فتنہ کے آگے بند باندھا متجددین و ملحدین کو چاروں شانے چت جھکنے پر مجبور کیا اور ان کو ایسی مار ماری کہ وہ آج تک اپنے زخم سہلا رہے ہیں۔

حضرت لاہوریؒ آج دنیا میں ہوتے تو بے دین و بددین عناصر کو کھل کھیلنے کا موقعہ نہ ملتا۔ بے لگام حکمران اپنے مدمقابل ایک پاٹ دار اور مضبوط آواز کو پاتے۔

تاہم اللہ کا شکر ہے کہ اس شیخ وقت کے فیض یافتہ آج بھی ملک بھر میں حق کی پاسبانی کا فریضہ سرانجام دے کر شیخ کی روح کی مسرت و طمانیت کا سامان کر رہے ہیں۔

خدا کی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں اس مردِ قلندر پر جس نے لاکھوں کو حق کی راہ دکھائی۔ اور دنیا میں دین و علم کی خدمت اور جرأت و بہادری سے حق کی پشتیبانی کا ڈھنگ سکھلا گئے۔

ہم آج کی یہ سطور اپنے اس عظیم و قائد رہنما کی نذر کر رہے ہیں جس نے دین حق کی خدمت کے لیے "خدام الدین" کا اجرا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی بتلائی ہوئی راہ پر چلائے اور ان کے مشن کے لیے اپنے آپ کو کھپانے کی توفیق بخشے۔

اس موقعہ پر ہم "خدام الدین" کے ایجنٹ حضرات اور خریداروں سے پرچہ کی بھرپور سرپرستی کی گذارش کریں گے۔ مضامین نگار حضرات کو قلمی معاونت اور مشتہرین کو پاکیزہ اشتہارات کی شکل میں معاونت کا فرض یاد دلائیں گے۔ والاجر علی اللہ

علی — ۱۱ رمضان المبارک ۹۶ھ

روح فرسا حادثہ!

کٹھیالہ شیخاں ضلع گجرات کی مردم خیز زمین کے صاحب علم و فضل بزرگ حضرت المخدوم المکرم مولانا عبدالحمید بھی انتقال فرما گئے۔ فقیہ ہند حضرت الامام محمد کفایت اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ عظیم شاگرد علم معقول و منقول میں اپنی مثال آپ تھا۔ تدریس آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور اپنی اسی سالہ زندگی کے کم از کم ۵۰ سال انہوں نے ملک کے صف اول کے مدارس میں درس دے کر اپنی علمیت کا لوہا منوایا۔ آپ کے والد بھی صاحب فیض بزرگ اور عظیم المرتبت عالم تھے۔ علامہ احمد حسین کے نام سے شہرت تھی۔ مخدومنا المکرم مولانا سلطان محمود (صدر مدرسہ فتح پور دہلی) رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرحوم کا گہرا تعلق تھا۔۔۔ مولانا محمد صادق (خطیب پٹھولیاں لاہور) مولانا عبدالحنان جیسے ہزاروی جیسے اساطین ان کے رفقاء میں شامل تھے۔

الغرض آپ ایک ایسا چراغ تھے جس کی مثال مشکل

(باقی ۴۳ پر)



فرائض علماء کرام و صوفیاء عظام

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ نے سورۃ قریش کے ضمن میں اس عنوان پر جو کچھ لکھا وہ دریا بکوزہ کی صحیح مثال ہے۔ اس زندہ اور یادگار تحریر کو پڑھیں اور حرز جاں بنائیں ——— (ادارہ)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

ترجمہ:- چونکہ (خدائے تعالیٰ نے) قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی الفت لگا دی ہے تو ان کو چاہیئے (کہ اسی محبت لگا دینے کی وجہ سے) اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا۔ اور خطرہ سے انہیں محفوظ رکھا۔

احادیث متعلقہ قریش

۱۔ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قریش کی ذلت کا ارادہ کریگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا۔ (رواہ الترمذی)

۲۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ پہلے قریش کو تو نے عذاب چکھایا (یعنی قحط سالی جو حضور سراپا نور کی بددعا کے باعث ان پر نازل ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ قریش مکہ معظمہ نے جانوروں کی کھالیں اور مردار بھی کھالئے) اب ان کے پچھلوں کو تو عطا (انعام) چکھا (اخرجہ الترمذی)

۳۔ اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: لِاِیلٰفِ قریش ایلٰفہم رحلۃ الشتاء والصیف۔ اے قریش کی جماعت تمہارے لیے ہلاکت ہو۔ اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھوک میں کھانا کھلایا۔ اور تمہیں خوف سے محفوظ رکھا۔

تفصیل مضامین سورۃ

جائے وقوع بیت اللہ:- بیت اللہ الحرام ایسی جگہ واقعہ ہے جہاں زمین سرسبز و شاداب نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑ یا ریگستان ہے۔ قریش اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جائے قیام کے باعث اس جگہ کو ساری دنیا پر ترجیح دیتے تھے اور خانہ خدا کی مجاوری کی وجہ سے سارے عرب میں ممتاز و معزز و برگزیدہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے بھی یہ جگہ ان کے حق میں باوجود بے آب و گیاہ ہونے کے بہترین تھی۔

کسب معاش:-

قریش کے لیے کسب معاش کا سوائے تجارت کے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے سردی میں یمن اور گرمی میں شام کا سفر تجارت کیا کرتے تھے۔

امن تام:-

باوجودیکہ بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے سارا عرب غارت کدہ تھا۔ ہر چہار طرف جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور دورہ تھا۔ باینہمہ قریش کے لیے ملک بھر میں امن تام حاصل

تھا۔ ان کے مال و اسباب سے بھرے ہوئے قافلے شام و یمن سے بخیر و عافیت مکہ معظمہ میں پہنچ جاتے تھے۔ کیا مجال کہ کوئی شخص ان کے قافلوں کی طرف نگاہِ بد سے دیکھے۔ یہ امن و عزت محض بیت اللہ الحرام کی جاروب کشی کے باعث تھی۔ اگر انھیں خدمت بیت اللہ الحرام کا شرف نصیب نہ ہوتا۔ تو نہ امن ملتا۔ (جو کہ ساکنینِ حرم ہونے کے باعث حاصل تھا) اور نہ بخیر و عافیت ان کے قافلے یمن و شام سے واپس آتے اور نہ ضروریاتِ زندگی پوری ہوتیں۔

علم التذکیر :-

اسوۃ المحققین، شیخ المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فوز الکبیر فی اصول التفسیر میں علوم القرآن کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں علم الاحکام، علم المناظرہ، علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ، علم التذکیر بما بعد الموت۔

تذکیر بآلاء اللہ :-

تذکیر بآلاء اللہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کوئی احسان جتلا کر تعمیل حکم کے لیے آمادہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ قریش میں اللہ تعالیٰ نے دو احسان قریش کو یاد دلاتے اور اپنی عبادت کی طرف متوجہ فرمایا۔

پہلا انعام یہ ہے کہ تمہیں فاقہ مستی سے بچایا۔ اور بے آب و گیاہ زمین میں رزق پہنچایا۔ دوسرا یہ کہ بد نظمی اور طوائف الملوکی کے زمانہ میں تمہاری جانوں اور مالوں کو ہر ایک خطرے سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ کسی کے باپ کا قاتل بھی تمہاری حدِ حرم میں داخل ہو جاتا تو بھی عظمتِ حرم کے باعث مامون و مصئون رہتا۔ جب تک حد حرم سے باہر نہ جاتا۔ اُسے اُف تک نہ کہا جاتا۔

فرضِ منصبی قریش :-

جاروب کشی بیت الحرام کے باعث جب تم پر اس قدر انعامات ہوتے ہیں۔ تو اب تمہارا فرضِ منصبی ہے کہ (فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ) اس خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو، جس کے گھر کے تم مجاور ہو۔ اور جب اس ربّ العزت جلّ جلالہٗ و عم نوالہٗ کی طرف سے سیّد المرسلین خاتم النبیّین علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغامِ ہدایت لاتے ہیں۔ تو تمہارا فرضِ اوّلین ہے (کہ ربّ البیت) کی نعمتوں کا شکریہ بجا لاؤ۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے توحید پر سب سے پہلے لبیک کہو۔ اور علم توحید (لا الٰہ الّا اللہ) کو اپنے کندھوں پر اٹھاؤ۔ اور اس قدر کمر ہمت باندھو۔ کہ ساری دنیا میں نورِ توحید پھیل جائے۔ اور ہر ذرّہ زمین سے صدائے توحید بلند ہونے لگے۔ اور ہر فرد بشر کا دل نغمۂ توحید سے مسرور ہو کر محوِ حیرت ہو جائے۔

شعائر اللہ :-

شعائر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی علامتِ خاصہ ہو جس کے دیکھنے سے فوراً ذہن کا انتقال اس طرف ہو جاتا ہے۔ کہ یہ شخص فلاں قوم کا فرد ہے۔ مثلاً ہندوستان میں ہندوؤں کا شعار سر پر چٹیا رکھنا ہے۔ اسوۃ المحققین شیخ المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں چار چیزیں شعائر اللہ میں شمار فرمائی ہیں۔ کتاب اللہ، بیت اللہ، رسول اللہ، صلوٰۃ۔ شعائر اربعہ میں سے تین کے تو اسماء گرامی ہی سے ذات باری جلّ مجدہٗ کی طرف فوراً ذہن کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اور شعار رابع یعنی نماز کی ہیئت کذائی اور اس کے الفاظ کا مطالعہ کرنے سے ہر عقلمند کا ذہنِ سلیم فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) اور دعا مسنونہ افتتاح (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ) کے الفاظ سنتے ہی سامع سمجھ جاتا ہے کہ مُصلّی (نمازی) اپنے رب کی یاد کر رہا ہے۔ اور جب مصلّی رکوع میں سُبحان ربیّ العظیم اور سجدہ میں سُبحان ربیّ الاعلیٰ کا ورد کر رہا ہے تو ہر سننے والا یہی سمجھے گا کہ یہ اپنے مالک ذو الجلال والاکرام کے حضور میں سر جھکا کر اپنی ذلت اور اس کی عظمت کے گن گا رہا ہے۔

الاعتبار و التاویل :-

جس طرح قریش شعائر اللہ میں سے بیت اللہ الحرام کے مجاور و محافظ تھے۔ اور اسی عہدہ جلیلہ کے باعث ربّ البیت کی عبادت اور اس کے پیغامبر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت اِن کا فرضِ منصبی قرار دی گئی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح علماء کرام اور صوفیائے عظام اللہ تعالیٰ کے دو شعاروں کے محافظ ہیں۔ ایک کتاب اللہ دوسرا رسول اللہ۔ کتاب اللہ کی حفاظت تو ظاہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت سے مراد محافظت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آنحضور سراپا نور فداہ ابی و امی کا ارشاد ہے :

مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ وَمَنْ اَحْیَانِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ (رواہ الترمذی) ترجمہ: جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا پس بیشک اس نے مجھے زندہ کیا۔ اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ بہشت میں رہے گا۔ (انتہی) اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ محافظ سُنّتِ نبوی محافظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور تارکِ سنتِ نبوی مخالف رحمۃ للعالمین ہے۔

جامعیت رحمۃ للعالمین

سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام جامع علم وعمل تھے حضور اقدس سے بڑھ کر نہ کوئی علم الٰہی کا بڑا عالم تھا اور نہ ہی اس نورِ مقدس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی پیکرِ عمل تھا۔ گویا کہ آپ مجسمہ تعلیم قرآن تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ کا ارشاد اس پر شاہد ہے۔ وہ فرماتی ہیں کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن ترجمہ: حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ جسے قرآن نے خلق عظیم سے تعبیر کیا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (سورۃ الاحزاب) ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ بہترین نمونہ ہیں (یعنی) اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر یقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنا چاہتا ہے۔ (انتہی)

جامعیت اُمّت بلا واسطہ:

سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت دو قسموں میں منقسم ہے۔ امت بلاواسطہ (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) امت بالواسطہ (بعد از صحابہ کرام) امت بلاواسطہ (صحابہ کرام) بفضلہ تعالیٰ صحبتِ محمدی کے باعث دونوں نعمتوں سے سرفراز کی گئی۔ وہ حضرات بھی جامع علم وعمل تھے۔ ان کے بعد نہ ان جیسا کوئی علم الٰہی کا عالم پیدا ہوا۔ نہ رموز و نکات نبویہ کا ایسا محرم راز دنیا نے دیکھا۔ اور نہ ان جیسا کوئی مجاہد، نمازی، سرفروش، قاضی، مفتی، زاہد، صوفی پیدا ہوا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

اس جامعیت کی علتِ اصلیہ ان کی فطرت سلیمہ اور انوار محمدیہ کا ان کے قلوب پر براہِ راست پڑنا تھا۔ بقول شخصے

ع بلبلے ہمہ زمیوہ رنگ گیرد

حضور سراپا نور فداہ ابی وامی کی صحبت نے ان آئینہ خزان الٰہیہ کے وہ جواہر بھر دیے تھے کہ نور محمدی نے جب گنبدِ خضرا میں منہ چھپایا۔ اور صحابہ کرام نے جب دریائے محمدی سے چنے ہوئے موتی دنیا کی منڈی میں نکال کر رکھے تو ساری دنیا کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ جو لوگ سرمایہ ایمانی کے ان موتیوں سے جھولی نہ بھر سکے۔ وہ اس نور کی تاب نہ لاکر چمگادڑ کی طرح سلطنتوں سے بھی دست بردار ہو کر اندھیروں میں جا چھپے۔ اور ہمیشہ کی موت مر گئے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ الْاٰیَۃ ترجمہ: اور عزت ساری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے۔ انتہی

تقسیم عمل:

مسلمان جوں جوں اس پاک اور مبارک زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے۔ جامعیۃ کا رنگ پھیکا پڑتا گیا۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں موجودہ وقت میں علم وعمل میں اکثر جگہ میں تفریق نظر آتی ہے۔ عموماً علماء بے عمل اور زاہد وصوفی جاہل ہیں۔ پہلی جماعت کتاب وسنت کے الفاظ پر عبور کو انتہائی کمال تصور کرتی ہے۔ دوسرا گروہ تارک الدنیا بننا، طمع وحرص سے خالی ہونا، سادہ خوراک، سادہ پوشاک اپنی غایۃ تصوف سمجھتا ہے۔

اگر کتاب وسنت سے انہیں مَس بھی نہ ہو لیکن باوجود جاہل ہونے کے ہادی خلق اللہ مرشد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنے بیٹھے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَاھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

اعتذار:

عنوان سابق میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ وہ دونوں گروہوں کے ناقص افراد کے متعلق تھا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت آج تک ساری کی ساری نہ مُردہ ہوئی ہے نہ ہے اور نہ ہوگی۔ آج بھی بفضلہ تعالیٰ علم وعمل نبوی کے جامع افراد سطح دنیا پر موجود ہیں۔ ان حضرات میں سے جن پر علمی رنگ غالب ہے۔ وہ عالم ربانی کہلاتے ہیں۔ اور جن پر باوجود کتاب وسنت کے عالم ہونے کے زہد وتقویٰ اور تزکیہ نفس کا رنگ غالب ہے تو وہ اللہ والے صوفی کہلاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ منصبِ محمدی یعنی منصب رسالت کسی شخص

کو بعد میں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ حضور سراپا نور کے بعد دروازہ نبوت بند ہو چکا ہے۔ اب جو شخص نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے۔ اُمتِ محمدیہ اسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رقیب، و دشمن تصور کرتی ہے۔ لیکن انوارِ محمدیہ، برکتِ محمدی، جرأتِ محمدی، فیضانِ محمدی کے حامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ رہے ہیں اور آج بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

اور انھیں مقدس ہستیوں کے دم سے اسلام کا نور اس کی عزت اس کے خصائص و محاسن دنیا میں زندہ رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

ربانی علمائے کرام وصوفیائے عظام کی زندگی کا نصب العین

جس طرح قریش شعائرِ اربعہ میں سے بیت اللہ الحرام کے محافظ تھے۔ اسی بنا پر ان کی عزت کی جاتی تھی۔ انہیں تحائف پیش کیے جاتے تھے۔ ان کی دعوتیں کی جاتی تھیں۔ اور ان کی جان و مال سے کوئی تعرض (چھیڑ چھاڑ) نہیں کیا جاتا تھا۔ ان انعامات کی بنا پر عبادتِ الٰہی کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبراول حمایت کرنا ان کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح جب علمائے کرام وصوفیائے عظام کی عزت اور دعوتیں اور نذرانے اس لیے ادا کیے جاتے ہیں کہ یہ لوگ دینِ الٰہی کے محافظ ہیں۔ جو روپیہ مسلمانوں کو خزانۂ الٰہی میں داخل کرنا ہو۔ وہ ان لوگوں کی جیبوں میں ڈال دیا جاتا ہے اور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ بس یہ روپیہ خزانہ الٰہی میں پہنچ گیا۔ لہٰذا ان حضرات کا اوّلین فرض یہ ہے کہ خدمت دینِ الٰہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں۔ ان کے دل و دماغ دینِ الٰہی کی نشر و اشاعت میں مصروف رہیں۔ ان کی قوتِ گویائی اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف ہو۔ ان کی قوتِ شنوائی مرضیاتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہو۔ ان کے پاؤں کی قوتِ مشی (چلنا) اعلاء کلمۃ الحق کے لیے مسافت طے کرنے میں ممد و معاون بنے۔

رفعِ عذر

باقی رہا معاش کا سوال۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ توکل کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ تمام خداداد قوتوں کو انسان اللہ کے دینِ متین کی خدمت میں صرف کردے اور کسبِ معاش کے لیے بھی وقت نہ نکال سکے۔ ایسے متوکلین کی امداد کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ ان کو دو جو اللہ کی راہ میں بند کیے گئے ہیں۔ زمین میں سفر نہیں کرسکتے (یعنی اس مصروفیت کے باعث کمانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے) اپنی حاجت کے اظہار نہ کرنے کے باعث ناواقف انہیں غنی سمجھتا ہے۔ آپ ان کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر سوال نہیں کرتے۔ انتہی۔

اول تو مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ایسی مقتدر اور اللہ والی ہستیوں کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں۔ اس مد سے اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہونے والوں کی ضروریات پوری ہوں گی۔ اور بالفرض والتقدیر اگر ان کے گرد و پیش ایسے بابصیرت انسان موجود نہ ہوں جو اپنے فرضِ منصبی کو سمجھ سکیں۔ اور ضروریاتِ معاش میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی امداد کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورہ الطلاق) ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ رزق دیتا ہے جہاں اس کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ انتہی۔

قسم اول کی توکل کے لیے شرعاً عامۃ الناس مامور نہیں ہیں۔ یہ خواص کا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہے عطا فرماتے۔

توکل قسم دوم یہ ہے کہ انسان اسبابِ عالم میں ہاتھ ڈالے تمام وسائل و ذرائع مقصد کو اوّل سے لے کر آخر تک طے کر جاتے باوجود اس دوسری سعی تام اور جدوجہد کے نتیجہ کا برآمد ہونا مدبر حقیقی جل مجدہ وعز اسمہ کے قبضہ میں سمجھے۔ یہی خیال رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو نتیجہ نکل آتے گا۔ اور اسے منظور نہ ہوا تو کہیں نہ کہیں اس سعی میں۔ ایسا خلل واقع ہوگا کہ نتیجہ بجائے مثبت کے منفی ہو جاتے۔ اگر ربانی علمائے کرام اور صوفیائے عظام توکل قسم دوم کو اختیار فرمائیں یعنی خدمتِ دینِ الٰہی کو اپنا نصب العین بنانے اور اپنے اوقاتِ عزیزہ اس میں صرف کرنے کے باوجود حصول معاش کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ تجارت، زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ اختیار کریں تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسلک بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت سنیہ سے ثابت ہے۔

الحاصل

حاصل یہ ہے کہ سورۂ قریش سے اعتباراً و تاویلاً ربانی علمار کرام وصوفیائے عظام کا فرضِ منصبی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حضرات اشاعت کتاب وسنت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیں۔ اپنے اوقاتِ عزیزہ یعنی اپنی زندگی کا بہترین حصہ اس کام کے لیے وقف کریں۔ پھر خواہ توکل قسم اوّل اختیار کریں یا قسم دوم۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ان کی ضروریا کا کفیل ہوگا۔ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یَقْدِرُ

اشاعت کتاب وسنّت کا صحیح معیار

اگر مستفیدین کتاب وسنّت کے اقوال و افعال میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا رنگ نظر آرہا ہو جو کہ ان حضرات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کتاب اللہ سے چڑھا تھا۔ تو سمجھا جائے گا کہ یہ تعلیم محمدی ہے اور اگر آثار قرآن اس کے خلاف ہوں تو کہنا پڑے گا کہ صورت اگرچہ تعلیم قرآن کی ہے لیکن حقیقت میں تعلیم ضلالت و ظلمت ہو رہی ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسی قرآن کے ذریعہ بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ اور اس قرآن سے سوائے فاسقوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

لہٰذا علمار و زہاد کا فرض ہے کہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں اس پاک و مبارک اسوۂ حسنہ صحابہ کرامؓ کو پیش نظر رکھیں۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدٰى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولّٰى ونصله جهنم وساءت مصيرًا ٥

صحابہ کرامؓ پر قرآن کا اثر

مشتے نمونہ از خروار

۱۔ معبودان ماسوائے اللہ سے منہ موڑا۔ ایک خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ سے تعلق جوڑا۔

۲۔ اتباعِ ہوا کو چھوڑا۔ اتباعِ نبی کریمؐ کو مقصدِ زندگی بنایا۔

۳۔ انانیۃ، غرور، تکبّر سے توبہ کی۔ بےنفسی، منکسر المزاجی مساوات کو اپنا شعار بنایا۔

۴۔ حسد، کینہ، بغض سے متنفر ہوئے۔ ایثار اور صاف دلی کو تمغۂ امتیاز بنایا۔

۵۔ لعنت اختلاف کے جوتے کو اتار پھینکا۔ رشتۂ اتحاد میں پروئے گئے۔

۶۔ دوسرے مسلمانوں کے عیوب سے نظر ہٹ گئی۔ اپنے عیوبِ ثواب پر نظر پڑ گئی۔

۷۔ تعیّش دنیاوی نظر سے گر گیا۔ عزّتِ آخرت نظر میں جچ گئی۔

۸۔ ریار دل سے نکل گیا۔ اخلاص دل میں بھر گیا۔

۹۔ سستی و کاہلی کافور ہو گئی۔ قوائے عملیہ میں سیماب کی طرح ایک بیقراری اور ہیجان پیدا ہو گیا۔

۱۰۔ بداخلاقی سے ہٹ گئے۔ پیکرِ اخلاقِ حمیدہ بن گئے۔

۱۱۔ طوائف الملوکی سے تائب ہو گئے۔ علمِ رسالت وخلافت کے نیچے جمع ہو گئے۔

۱۲۔ تمام مقاصدِ دنیا نمبر دوم ہو گئے۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ ان کی زندگی کا مقصدِ اوّلین بن گیا۔

۱۳۔ ساری دنیا کی محبت دل سے نکل گئی۔ ساری دنیا سے بڑھ کر رسول اللہؐ کی محبت اور پھر اس سے بڑھ کر اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو گئی۔

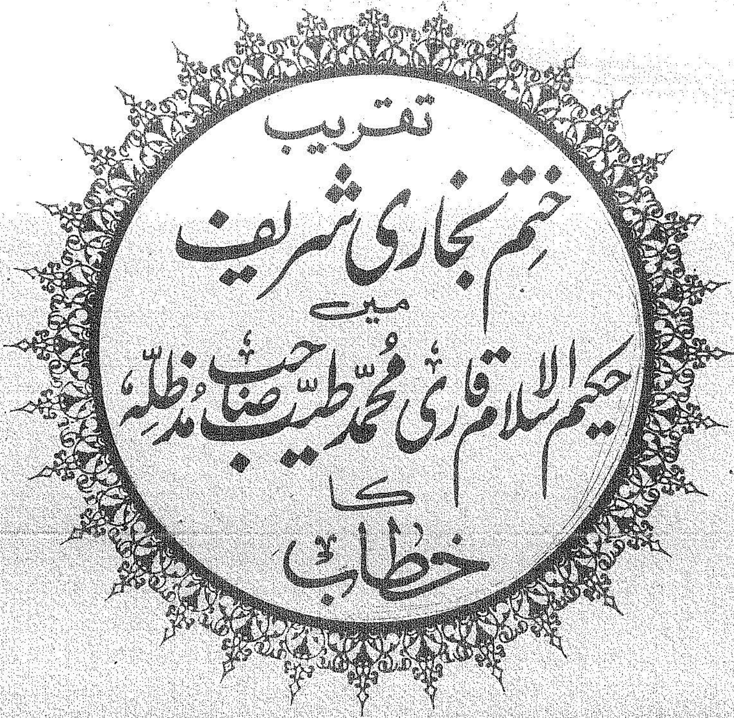
۱۴۔ اقامتِ وطن گراں گزرنے لگی۔ اشاعتِ دین کے لیے سفر پیارا ہو گیا۔

۱۵۔ کفر اور کفار سے نفرت ہو گئی۔ محبانِ الٰہی کے فدائی بن گئے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ وَوَفِّقْنَا لِاِشَاعَةِ قُرْاٰنِكَ الْكَرِيْمِ وَاحْفَظْنَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ



سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ



رپورٹ: مولانا محمد اکرم کاشمیری

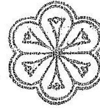
مادر علمی دار العلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم اور حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے نبیرہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب زید مجدھم پچھلے دنوں پاکستان تشریف لائے، آپ نے ۲۳/ رجب سنہ ۹۷ھ ۱۱ جولائی سنہ ۷۷ء حضرت الشیخ المکرم المخدوم مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی یادگار "جامعہ اشرفیہ" مسلم ٹاؤن لاہور میں ختم بخاری کی تقریب سے خطاب فرمایا۔

اس موقعہ پر جامعہ اشرفیہ کے علاوہ جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے طلبہ بھی شریک ہوئے علاوہ ازیں علماء اور عام شہریوں کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔

کتاب بخاری - جو قرآن عزیز کے بعد روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے کی آخری حدیث پر قاری صاحب جیسے فاضل یگانہ نے جو گفتگو فرمائی وہ انہی کا حصہ تھا۔ دیوبند کے اس ترجمان مکرم نے جو لولوئے لالا بکھیرے وہ اس عظیم درسگاہ کے اکابر کی امتیازی خصوصیت ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا محمد اکرم کاشمیری ناظم جامعہ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس تقریر کو قلمبند کر کے خدام الدین کے لئے مرحمت فرمایا جس پر ہم ان کے انتہائی مشکور ہیں ذیلی عنوانات کا اضافہ احقر مدیر نے کیا ہے تو لیجئے آپ بھی قلب و نظر کی راحت کا سامان حاصل کریں !!

(مدیر)



یہ بُخاری کی آخری حدیث ہے جس پر امام ہمام نے اپنی کتاب کو ختم کیا۔ پہلے تو امام کی اس سند پر غور کیا جائے کہ ابتدا بھی عجیب انداز سے فرمائی اور انتہا بھی عجیب انداز سے کی۔ محدثین کا طریق یہ ہے کہ اگر جامع لکھی کسی نے تو ابتدا کرتے ہیں کتابُ الایمان سے اور اس کے بعد دوسرے ابواب لاتے ہیں اور اگر سُنن کی کتاب ہے تو ابتداءً عموماً کی جاتی ہے کتابُ الطہارت سے اور پھر نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ لاتے ہیں تو سُنن کا بھی ایک طریقہ ہے اور جوامع کا بھی ایک طریقہ ہے۔

وحی سے ابتدا کی وجہ

لیکن مصنف نے بجائے کتابُ الایمان سے ابتدا کرنے کے باب بدءُ الوحی سے کی ہے کہ وحی کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے ابواب ہیں دین کے ان کا مادہ درحقیقت وحی ہے۔ وحی مادہ شریعت ہے اس مادہ کی بھی شاخیں ہیں کوئی شاخ کتاب الایمان ہے کوئی شاخ کتابُ الصلوٰۃ ہے اور کوئی کتاب الزکوٰۃ ہے تو ان سب میں وحی جلوہ گر ہے۔ قدرِ مشترک وحی ہے اور اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ وہی وحی کبھی نماز کی صورت میں نمایاں ہوئی اور وہی وحی کبھی حج کی صورت میں اور وہی وحی دوسرے ابواب کی صورت میں مادہ شریعت کا وحی خداوندی ہے اس لئے مصنف نے ابتداءً مادہ شریعت کو ذکر کیا اس کے بعد پھر اس کی شکلوں کو ذکر کیا۔

ایمان تمام اعمال کی بنیاد ہے

تو سب سے پہلے لائے ہیں کتاب الایمان کو اس لیے کہ تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے ایمان نہ ہو تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا تو گویا مدار علیہ اور موقوف علیہ ایمان تھا تمام علوم کا اسلئے پہلے کتاب العلم لائے۔ اب ایمان آدمی کو حاصل ہوگیا اعتقاد حاصل ہوگیا حق تعالیٰ کی یکتائی پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر سب چیزوں پر یقین ہوگیا۔

علم کی ضرورت

لیکن یقین کے بعد ضرورت پڑتی ہے علم کی کہ اس یقینی چیز کو کس طرح سے ہم انجام دیں ظاہر ہے کہ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے جہالت سے کوئی چیز انجام نہیں دی جاسکتی تو کتاب الایمان کے بعد لائے ہیں کتاب العلم کو کہ علم کی عظمت اور علم کی نوعیت واضح ہو جائے۔ اب ایمان بھی ہے آدمی میں اور علم بھی حاصل ہو گیا۔

طریق عمل

لیکن طریقِ عمل کیا ہو گا کہ جس سے علم پر عمل کرے ظاہر ہے کہ وہ طریقہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ۔ اس لئے اس کے بعد لائے ہیں بابُ اتباع السنۃ کہ سنت کی پیروی ہوگی تب اس علم پر عمل نصیب ہوگا اور علم پر عمل نصیب ہو جانا جب موثر ہوگا جب پہلے ایمان ہوگا تو پہلے کتاب الایمان لائے پھر کتاب العلم لائے اور پھر کتاب اتباع السنۃ لاتے۔

مقصدِ زندگی

اس کے بعد میں پھر شروع کئے عبادات جو اصل مقصود ہے انسان کی پیدائش کا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ط مقصود اصلی ہے کہ عبادت کرے انسان۔ عبادت کے معنی ہیں بندے کا ربط اللہ سے عبد کا معبود سے کیا رابطہ ہے؟ اُس رابطے اور جوڑ کو عبادت کہتے ہیں کہ جس سے قربت حاصل کرے حق تعالےٰ سے تقرب پیدا کرے، جب بندے اور خدا کا رشتہ جُڑ گیا

بندوں کا بندوں سے تعلق

اُس کے بعد بندوں کا بندوں سے کیا واسطہ ہے تو معاملات لائے جس میں نکاح بھی ہے جس میں بیع و شراء بھی ہے ہبہ اور میراث بھی ہے۔ اوقاف بھی ہیں یہ تمام معاملات لائے۔ ان تمام

کو جب بیان کر لیا اُس کے بعد میں ان تمام چیزوں کو فتنوں سے بچانے کی کیا صُورت ہے ساری معلومات حاصل ہیں سارے ابواب سامنے ہیں مگر فتنہ اتنا ہے کہ ان پہ عمل کرنا مشکل ہے۔

جہاد کی ضرورت

تو پھر مغازی لائے کہ اس کا ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھا جائے اور فتنہ مُرتفع ہو۔ پھر اس کے بعد جب جہاد بھی آگیا تو اُن مجاہدین کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے تو پھر حضرات صحابہ کرام کے احوال انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں ذکر کیں کہ اصل مجاہد یہ حضرات تھے اُن کی پیروی میں دوسرے جہاد کریں گے۔

اُمت کی فضیلت

ان تمام ابواب کو لاکر ختم کیا ہے اس امت کی فضیلت پہ۔ اور آخر میں یہ حدیث لائے جس کی آپ نے تلاوت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ نے دنیا سے ابتدا کی اور آخرت پہ لاکر ختم کیا کتاب کو۔

دنیا و آخرت

دنیا میں انسان مکلف تھا ایمان کا پھر اسلام کا پھر اعمال پھر معاملات کا ساری چیزیں انجام دیں تو سوال ہے کہ بھائی اس کا ثمرہ کیا نکلے گا۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ کوئی اجر ملے گا ہمیں کوئی صلہ ملے گا کوئی مقبولیت پیدا ہوگی تو اس حدیث پہ لاکر ختم کیا کہ ابتدا کی تسبیح و تہلیل پہ کیا ثمرات مُرتب ہوتے ہیں اور بندہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو دنیا سے ابتدا کی اور آخرت پہ لاکر ختم کیا یہ ایک عجیب و غریب سند ہوگئی کہ آغاز میں اللہ کا نام اور انتہا میں قیامت اور یوم حشر اور اس کے ثمرات اور بیچ میں سارا اسلام اور ساری زندگی بیان کی۔

کتاب اور مُصنّف

جیسے کتاب جلیل القدر ہے اور جیسے مصنف جلالتِ قدر والے ہیں اسی طرح سے ان کی سند بھی جلالتِ قدر رکھتی ہے کہ عجیب و غریب سند اختیار کی ہے مُصنفؒ نے۔ یہ تو میں نے ابتداً عرض کر دیا بخاری کے بارے میں۔

حدیثِ متعلقہ

اب اس کے بعد یہ حدیث آئی جو آپ نے تلاوت کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ط اس میں اس تسبیح سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اس کے تین اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں حدیث میں ۱۔ ایک تو حِسّی صُورت ہے جو کانوں سے محفوظ ہوتی ہے اور آدمی دیکھ سکتا ہے ایک معنوی چیز ہے اور ایک اُخروی چیز ہے۔ تین صفات بیان کی ہیں۔

پہلی صفت

پہلی صفت بیان کی گئی کہ خفیفتان علی اللسان زبان پہ نہایت ہلکے ہیں یہ کلمے ان کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں کوئی پیچیدگی نہیں زبان کو اینچنا نہیں پڑتا بلسان عربی مبین عربی زبان جیسی خفیف اور اخف زبان کے یہ کلمات ہیں زبان بھی ہلکی پھلکی ہے اور یہ کلمات اس میں اور بھی ہلکے پھلکے ہیں جن کے ادا کرنے میں نہ زبان کو کوئی دشواری آئے اور نہ اسے اینچنا پڑے اور نہ کوئی مشکل پیش آئے۔ بہت ہی خفیف اور ہلکے پھلکے سبحان اللہ وبحمدہٖ سُبحان اللہ العظیم۔

عربی کی فضیلت

اور بنا اس کی یہ ہے کہ خود عربی زبان بہت خفیف ہے ہلکی بھی ہے اور ہلکی بھی ہے اس کے کلمات جن معانی کو ادا کرتے ہیں وہ کلمات ایسے لطیف ہیں کہ ان کے بغیر وہ حقیقت ادا نہیں ہو سکتی جبتک کہ وہی کلمہ نہ پڑھا جائے تو پاکیزہ زبان ہے اور خفیف ہے۔ لسان اللہ ہے۔ حق تعالیٰ اسی میں کلام فرماتے ہیں۔ اسی زبان کو اپنے معجزے کے اظہار کے لئے اللہ نے منتخب فرمایا۔

قرآن کا معجزہ

قرآن معجزہ ہے ایسا کہ اللہ کے سوا دوسرا یہ کلام نہیں کر سکتا تو اعجاز کی شان کا کوئی زبان تحمل نہیں کر سکتی نہ انگریزی زبان

کو جب بیان کر لیا اُس کے بعد میں ان تمام چیزوں کا فتنوں سے بچانے کی کیا ضرورت ہے ساری معلومات حاصل ہیں سارے ابواب سامنے ہیں مگر فتنہ اتنا ہے کہ ان پر عمل کرنا مشکل ہے۔

جہاد کی ضرورت

تو پھر مغازی لائے کہ اس کا ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھا جائے اور فتنہ مُرتفع ہو۔ پھر اس کے بعد جب جہاد بھی آ گیا تو اُن مجاہدین کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے تو پھر حضرات صحابہ کرام کے احوال انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں ذکر کیں کہ اصل مجاہد یہ حضرات تھے اُن کی پیروی میں دوسرے جہاد کریں گے۔

اُمت کی فضیلت

ان تمام ابواب کو لا کر ختم کیا ہے اس امت کی فضیلت پر۔ اور آخر میں یہ حدیث لائے جس کی آپ نے تلاوت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ نے دنیا سے ابتدا کی اور آخرت پر لا کر ختم کیا کتاب کو۔

دنیا و آخرت

دنیا میں انسان مکلف تھا ایمان کا پھر اسلام کا پھر اعمال پھر معاملات کا ساری چیزیں انجام دیں تو سوال ہے کہ بھائی اس کا ثمرہ کیا نکلے گا۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ کوئی اجر ملے گا نہیں کوئی صلہ ملے گا کوئی مقبولیت پیدا ہوگی تو اس حدیث پر لا کر ختم کیا کہ ابتدا کی تسبیح و تہلیل پر کیا ثمرات مرتب ہوتے ہیں اور بندہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو دنیا سے ابتدا کی اور آخرت پر لا کر ختم کیا یہ ایک عجیب و غریب سند ہو گئی کہ آغاز میں اللہ کا نام اور انتہا میں قیامت اور یوم حشر اور اس کے ثمرات اور بیچ میں سارا اسلام اور ساری زندگی بیان کی۔

کتاب اور مصنفؒ

جیسے کتاب جلیل القدر ہے اور جیسے مصنف جلالتِ قدر والے ہیں اسی طرح سے ان کی سند بھی جلالتِ قدر رکھتی ہے کہ عجیب و غریب سند اختیار کی ہے مصنفؒ نے۔ یہ تو میں نے ابتداً عرض کر دیا بخاری کے بارے میں۔

حدیث متعلقہ

اب اس کے بعد یہ حدیث آئی جو آپ نے تلاوت کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اس میں اس تسبیح سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ اس کے تین اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں حدیث میں ۱۔ ایک تو حسی صورت ہے جو کانوں سے محفوظ ہوتی ہے اور آدمی دیکھ سکتا ہے ایک معنوی چیز ہے اور ایک اُخروی چیز ہے۔ تین صفات بیان کی ہیں۔

پہلی صفت

پہلی صفت بیان کی گئی کہ خفیفتان علی اللسان زبان پر نہایت ہلکے ہیں یہ کلمے ان کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں کوئی پیچیدگی نہیں زبان کو اینچنا نہیں پڑتا بلسان عربی مبین عربی زبان جیسی خفیف اور اخف زبان کے یہ کلمات ہیں زبان بھی ہلکی پھلکی ہے اور یہ کلمات اس میں اور بھی ہلکے پھلکے ہیں جن کے ادا کرنے میں نہ زبان کو کوئی دشواری آئے اور نہ اسے اینچنا پڑے اور نہ کوئی مشکل پیش آئے۔ بہت ہی خفیف اور ہلکے پھلکے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

عربی کی فضیلت

اور بنا اس کی یہ ہے کہ خود عربی زبان بہت خفیف ہے ہلکی بھی ہے اور ہلکی بھی ہے اس کے کلمات جن معانی کو ادا کرتے ہیں وہ کلمات ایسے لطیف ہیں کہ ان کے بغیر وہ حقیقت ادا نہیں ہو سکتی جبتک کہ وہی کلمہ نہ پڑھا جائے تو پاکیزہ زبان ہے اور خفیف ہے۔ لسان اللہ ہے۔ حق تعالیٰ اسی میں کلام فرماتے ہیں۔ اسی زبان کو اپنے معجزے کے اظہار کے لئے اللہ نے منتخب فرمایا۔

قرآن کا معجزہ

قرآن معجزہ ہے ایسا کہ اللہ کے سوا دوسرا یہ کلام نہیں کر سکتا تو اعجاز کی شان کا کوئی زبان تحمل نہیں کر سکتی نہ انگریزی زبان

نہ تُرکی زبان نہ پنجابی زبان اعجاز اور معجزے کا تحمل اگر کسی نے کیا ہے تو وہ عربی زبان ہے۔

ماقلّ ودلّ کہ کلمات بہت تھوڑے اور حقائق اس میں بہت زیادہ بھرے ہوتے ہیں تو زبان کے لحاظ سے خفیف بھی ہے، لطیف بھی ہے اور معجزے کا تحمل کرنے والی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ لسان اهل الجنة عربی کہ اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔

برزخ کی زبان برزخ کی زبان تو ہے سریانی جسمیں کلام کرے گا میت اور ملائکہ علیہم السلام اس سے خطاب کریں گے وہ زبان تو ہے سریانی لیکن میدانِ محشر سے جو زبان شروع ہوگی تو وہ عربی زبان ہوگی پھر جنت تک وہی زبان رہے گی اور ابدالآباد تک وہی زبان رہے گی اہلِ جنت کی۔ تو قرآن کی زبان عربی۔ حق تعالیٰ کا کلام عربی۔ اہلِ جنت کی زبان عربی تو یہ عربی کی فضیلت اور خفت اور اس کا ہلکا پھلکا ہونا اس کی گویا واضح دلیل ہے۔

کتب سماویہ کی زبان ابتدا حق تعالیٰ کی کتابیں نازل ہوئی ہیں عبرانی ہیں اور سُریانی ہیں تو عبرانی ثقیل زبان ہے اس کو جب ہلکا پھلکا کیا تو اس کی شکل عربی کی ہوگئی۔ ورنہ ابتداءً وہ ثقیل تھی مثلاً توراۃ اُتری ہے عبرانی زبان میں۔ توراۃ کی ایک آیت ہے اس سے اندازہ کیجئے کہ زبان کو اس میں کتنا اینچنا پڑتا ہے جہاں پیشین گوئی کی ہے حق تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تو فرمایا گیا توراۃ میں نابی بخدبحا ماخوخا یاخیم لی بخوخا و جسمهم: اس میں سوائے خاکے کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب اس کو عربی میں منتقل کیا گیا معنیً نہیں بلکہ لفظاً تو یوں ہوگیا۔ نابی سے تو ہوگیا نبیؐ خدبجا یعنی من قدبلک بخدبخا کی جگہ تو آگیا من قوبلک ماخوخا یعنی من اخیك یاخیم لخا یعنی یقیم لك۔ بخوخا الهك فتسمعوت پیشین گوئی فرمائی گئی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کہ ایک نبی آئیں گے تمہارے قریب کے ہوں گے تم بنی اسرائیل ہو وہ بنی اسماعیل ہوں گے چچا تائے کے بھائی ہوں گے نابی بخدبخا یعنی نبی من قوبلك ماخوخا یعنی من اخیك تمہارے بھائی ہوں گے یاخیم لخا یعنی یقیم لك وہ قائم کریں گے اللہ کی الوہیت کو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو، اس کی بزرگی کو اور اس کی عبادات کو تو اب کہاں ہے نابی بخدبخا یاخیم لخا یاخوخا اور کہاں ہے نبی من قوبلك من اخیك یقیم لك الهك۔ تو لطافت کا فرق نمایاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک میں تو زبان کو ذرا اینچنا پڑتا ہے اور ایک میں زبان ہلکی پھلکی چلتی ہے چونکہ زبان خود خفیف تھی اور اس میں یہ کلمات اور بھی زیادہ خفیف ہیں اور اخف تو فرمایا خفیفتان علی اللسان ان دو کلموں کو ادا کرو تو زبان پر بھاری نہیں ہیں۔ بہت ہلکے پھلکے ہیں نہ کچھ وقت لگتا ہے نہ کوئی پیچیدگی بلکہ پل بھر میں ادا ہو جاتے ہیں یہ کلمات۔ ایک صفت تو یہ بیان کی گئی ان کلمات کی خفیفتان علی اللسان کہ یہ دو کلمے ہلکے ہیں زبان پر یہ صفت حسی ہے یعنی جب آپ سُنیں گے تو کان محسوس کریں گے کہ بڑی ہلکی پھلکی چیز ہے۔

دوسری صفت دوسری صفت بیان کی گئی کہ ثقیلتان فی المیزان۔ زبان پر ہلکے اور میزانِ عمل میں وزنی اور بھاری! اجر اتنا بڑا ہوگا کہ کتنا ہی آدمی بلطف ہر پڑھے اتنا اجر نہیں ملے گا جتنا ان دو کلموں کے پڑھنے سے ملے گا تو میزانِ عمل میں وزنی ہوں گے اور ثقیل ہوں گے۔

وزن کی کیفیت وزن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی اور ایک معنوی وزن ہے۔ جسمانی وزن تو اجسام کا یہ ہے کہ سیر بھر کا وزن کم ہے دو سیر کا زیادہ تین سیر کا اس سے زیادہ اور دھڑی بھر کا اس سے زیادہ اور من کا اس سے زیادہ تو ایک ہے مادّی وزن وہ مادیات سے متعلق ہے۔ جتنی مادی چیز عظیم ہوگی اور بڑی ہوتی جائے گی وزن بڑھتا جائے گا اور ایک معنوی وزن

ہے تو ان دو کلمات میں معنوی وزن ہے ترازو میں تو لنے لگو تو کچھ بھی وزن نہیں لیکن اس کے معنی پر غور کرو تو نہایت باعظمت معنی ہیں جس کا بوجھ پڑتا ہے۔

رُوحانی وزن

بوجھ فقط مادی نہیں ہوتا بلکہ رُوحانی بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں عالم آئے میرے دل پر بوجھ پڑا اُن کے آنے سے کیا بوجھ؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ پانچ سیر کا وزن رکھا گیا یعنی ان کی عظمت کا بوجھ پڑا ان کے اندر جو روحانی قوت تھی اس کی ہیبت پڑی اور دل میرا بیٹھنے لگا اور ان کی عظمت کو مان لیا۔ تو حق تعالیٰ کی عظمت جو دلوں میں ہے وہ معنوی عظمت ہے کہ بوجھ ہے مگر وہ معنوی بوجھ ہے۔

حضرت حق اور ان کا کلام

مادیات سے بری ہیں حق تعالےٰ۔ اسی طرح سے ان کا کلام بھی مادیات سے بری ہے روحانی ولطیف ہے اس کا بوجھ پڑتا ہے قلوب کے اُوپر۔ اگر کوئی جاہل کلام کہے تو آپ کے دل میں قطعی احساس نہیں ہوگا کہ بھائی یہ سننے کی چیز ہے کوئی۔ اگر کوئی عالم کلام کرے تو آپ غور کریں گے اور کہیں گے کہ بڑا وزنی کلام ہے دل بیٹھتا نہیں پوری طرح سے ایک دفعہ اور سنا دو۔ ایک دفعہ اور سنا دو تاکہ بیٹھ جائے پوری طرح دل میں۔

ایک واقعہ

حضرت مولانا تھانویؒ کے پاس جب تشریف لے گئے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ تو فرمایا کہ میرے دل پہ ان کے آنے سے ان کی علمی عظمت کا ایک بوجھ پڑا یہ بوجھ مادی وزن نہیں تھا۔ روحانی وزن تھا جو باعظمت ہوتا ہے۔ اس کے اثر کو روح قبول کرتی ہے۔ دِل قبول کرتے ہیں وزن کے اوپر اگر آپ یہ کلمہ لکھ دیں تو کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوگا لیکن جب پڑھنے لگیں اور عظمتِ خداوندی سامنے آئے تو جی لرزنے لگے گا جیسے کہ اٹھایا نہیں جا سکتا کسی چیز کو۔ تو یہ معنوی بوجھ ہوتا ہے تو یہاں مراد ہے معنوی بوجھ کہ میزانِ عمل میں جب تولا جائے گا اس کلمے کو جو بندے نے پڑھا ہوگا تو میزانِ عمل جھک جائے گی عظمت کے بوجھ سے

وزنِ اعمال پر ایک حدیث

جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے دن ایک بندہ حاضر ہوگا اور انبار ہوں گے اس کے ساتھ اس کی بدکاریوں کے، فرمایا گیا کہ ننانوے دفتر ہوں گے بدکاریوں کے، ایک دفتر کو پھیلاؤ تو زمین و آسمان جھک جائیں۔ وہ حاضر ہوگا حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ اے بندے اپنے اعمال کو تولو تو عرض کریں گے کہ اے اللہ میں کا ہے کو تلواؤں میرے پاس تو بدیاں ہی بدیاں ہیں تولنے کی ضرورت تو جب ہو کہ ایک طرف نیکی ہو اور دوسری طرف بدیاں ہوں۔ یہ تو بدیاں ہی بدیاں ہیں۔ فرمایا کہ نہیں تیری ایک نیکی بھی ہے ہمارے پاس، ان ننانوے دفتروں میں ایک پرچی نکلے گی کہ پوری عمر میں ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو عرض کرے گا کہ اے اللہ ان ننانوے دفتروں میں اس پرچی کی کیا حقیقت ہے۔ میں تو جہنم کا مستحق ہوں۔ مجھے جہنم میں بھیج دیجئے۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ مقامِ کریم تک پہنچ سکوں۔ فرمائیں گے لا ظلم الیوم۔ ان اللہ سریع الحساب ط ہمارے ہاں ظلم نہیں ہے۔ حساب ہوگا ذرے ذرے کا تو تولو اور اپنی نگرانی میں تولو کبھی تو یوں کہے کہ ملائکہ نے کوئی زیادتی کر دی ہے کم تول دیا یا زیادہ تول دیا۔ وہ ننانوے دفتر رکھے جائیں گے ایک پلڑے میں پرچی رکھی جائے گی ایک پلڑے میں پرچی والا پلڑا جھک جائے گا اس کو فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ولذکر اللہ اکبر۔ اللہ کے نام سے زیادہ وزنی کونسا نام ہو سکتا ہے کہ جس کے اندر عظمت کا بوجھ ہو تو اسی نام پاک کا یہ کلمہ بھی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ط کہ اس کی عظمت سے میزان کا پلڑا جھک جائے گا اگرچہ لاکھوں بدیاں ہوں اور لاکھوں برائیاں ہوں مگر اس کی عظمت

غالب آجائے گی اور جھک جائے گا۔ تو مطلب یہ کہ ایک
وزن ہوتا ہے مادی اور ایک وزن ہوتا ہے روحانی اور علمی۔
یہاں روحانی اور علمی وزن مراد ہے۔

ایک واقعہ

جیساکہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اس اُمت
کے ایک فرد کو جہنّم کا حکم دے دیا
جائے گا اور ملائیکہ علیہم السلام اس کو لے جارہے ہوں گے
جہنم کی طرف اور وہ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہو گا کہ
کوئی ہے میرا مددگار کہ نہیں تو آدم علیہ السلام کی نگاہ پڑیگی
تو پکاریں گے حضرت آدم کہ یا احمدُ یا احمدُ آپ
عرض کریں گے لبّیکَ یا ابا البشر حاضر ہوں۔ فرمائیں گے
آپ کی اُمّت کا ایک آدمی ہے جہنم کی طرف لیجایا جارہا
ہے۔ تو آپ ملائیکہ کا پیچھا کریں گے اور اُن سے فرمائینگے
رُک جاؤ۔ وہ کہینگے کہ ہمارا نام ہے زبانیہ۔ ہم جہنم
کے ملائیکہ ہیں اور مامُور ہیں۔ امرِ خداوندی کے ہم
آپ کا حکم نہیں مان سکتے امرِ خداوندی آچکا ہے تو آپ
بہت ہی تاسف سے اپنی رِیش مبارک پر ہاتھ پھیریں
گے اور جاکر عرش کے نیچے سجدہ کریں گے۔ عرض کریں
گے کہ اے اللہ میرا ایک آدمی ہے بیشک گناہ گار ہے
مگر آپ کی رحمت وسیع ہے۔ فرمائیں گے حق تعالیٰ
کہ ہم آپ کو رُسوا نہیں کریں گے اور ادھر سے آواز
دی جائیگی لا تعجلوا جلدی مت کرو ملائیکہ رُک
جائیں گے۔ آپ تشریف لائیں گے اور اپنی جیب
میں سے ایک پرچہ نکالیں گے۔ (جیسے اس وقت کی جیب
ہوگی، جیسا لباس ہوگا خدا ہی جانتا ہے)۔ پرچہ نکالیں
گے اور بسم اللہ کہہ کر آپ اس کو میزان عمل میں ڈالیں گے
ایک دم نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا اور اس کی نجات
ہو جائے گی وہ پہچانتا نہیں ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو تو آکر عرض کرے گا اے نیک نہاد آپ کون ہیں
کہ اس آڑے وقت میں میری مدد کی مجھے جہنم سے بچایا
فرمائیں گے انا احمدُ۔ میں تیرا نبی ہوں احمد میرا نام ہے۔
جھک جائے گا اور کہے گا سبحان اللہ آپ نے کیا کیا
آکے میرا پلڑا تو ہلکا پڑگیا تھا۔ فرمایا کہ تو نے ایک دفعہ
نہایت ہی کمال اخلاص کے ساتھ درود بھیجا تھا وہ
درود کی پرچی میرے پاس محفوظ تھی جیب میں وہ اتنے
اخلاص سے بھرا ہوا تھا کہ جب میں نے وہ پلڑے میں
ڈالا تو اس اخلاص کی برکت سے وہ ساری بدیاں ہلکی
پڑگئیں۔ ظاہر بات ہے کہ درود شریف کو اگر پرچی
لکھ کر جیب میں ڈال لیں تو کوئی وزن محسوس نہیں ہوگا
لیکن روح محسوس کرے گی اُس کے وزن کو وہ جو اخلاص
کا وزن ہے اس میں وہ محسوس کرے گی روح۔ تو
حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اعمال کے ڈھانچوں کو
نہیں دیکھیں گے یہ دیکھیں گے کہ اس کے اندر اخلاص
کتنا ہے۔ سچائی کتنی ہے۔ محبّتِ خداوندی کتنی ہے
اس کا ہو گا در حقیقت وزن تو اس کی طرف اشارہ کیا گیا
حدیث میں کہ یہ دو کلمے زبان پر ہلکے اور میزانِ عمل میں
بھاری ہیں اپنی معنویت کی وجہ سے تو یہ دوسرا وصف
ہوا۔ یہ حسّی وصف نہیں ہے بلکہ روحانی وصف ہے
اس کو ارواح محسوس کریں گی قلوب محسوس کریں گے

تیسری صفت

تیسرا وصف ذکر کیا کہ حبیبتان الی الرحمٰن
یہ دونوں کلمے وہ ہیں کہ اللہ کو سب سے
زیادہ محبوب ہیں اور بہت پسندیدہ ہیں۔ ظاہر بات
ہے کہ جب کسی کے پاس اس کی پسندیدہ چیز
ہدیے میں لے جائیں گے تو توجہ بہت ہوگی فطرت
کا تقاضا ہے کہ کوئی ایسا ہدیہ لے جائیں جس سے
اگلا کراہت محسوس کرے۔ تو پسند نہیں کرے گا
قبول بھی نہیں کرے گا۔ کوئی ایسی چیز لے جائیں جو
مرغوب ہے تو شکریہ بھی ادا کرے گا اور خوش
بھی ہوگا۔ تو یہ کلمات حق تعالیٰ شانہٗ کو محبوب ہیں۔
محبوب پہ چیز کا ہدیہ جب پیش ہوگا تو عنایات متوجہ
ہو جائیں گی۔ محبوب کیوں ہیں اس کی وجہ یہ ہے
کہ ان کلمات میں الوہیّت کے مقامات کا ذکر کیا گیا ہے

مقاماتِ الوہیت

مقاماتِ الوہیّت چار ہیں جو خصوصیات
خداوندی ہیں اور ظاہر بات ہے
اس میں شرک کی گنجائش نہیں ہے۔

پہلا مقام

سب سے پہلی چیز ہے تنزیہہ۔ تنزیہہ
کے معنی ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنا
ہر عیب سے پاک، ہر بُرائی سے بری ہر نقص سے بری
و بالا کوئی ادنیٰ درجے کے نقص کا شائبہ یا عیب کا

شائبہ ممکن نہیں ہے۔ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ تو سب سے پہلے چیز ہے حق تعالیٰ کی تنزیہہ اور اس کی پاکی کہ تمام عیوب سے پاک ہے اللہ ہر عیب سے ہر ذم سے یعنی ہر بُرائی سے ہر کوتاہی سے تو تسبیح کے معنی درحقیقت تنزیہہ کے ہیں کہ وہ منزہ ہے ہر برائی سے وہ بالا تر ہے سب چیزوں سے جس کو قرآن حکیم ہیں مختلف عنوانوں میں بیان فرمایا گیا ہے کہیں فرمایا گیا ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ اس لئے کہ یہ تھکن کی علامت ہے اور تھکن ضعف کی علامت ہے اور وہ قوی ہے۔ اس کا ضعف سے کیا کام تو فرمایا لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ط کہیں فرمایا لا یضل ربی ولا ینسیٰ ط تیرا رب پروردگار نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ بھول اور بھٹک ہوتی ہے ضعف کے سبب سے حافظہ قوی ہو اور وہ قوی ہے وہاں بھول چوک کا کیا کام یہ آیتیں تنزیہہ کے لئے ہیں لا یضل ربی ولا ینسیٰ ط لا تاخذہ سنۃ ولا نوم نہ وہاں نیند ہے نہ وہاں اونگھ ہے اور نہ وہاں معاذ اللہ بھٹکنا ہے اور نہ وہاں نسیان ہے۔ ہر چیز سے بری و بالا۔ علم اس کا قطعی ہے علم اس کا محیط ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں تو یہ ساری چیزیں آتی ہیں سبحان کے نیچے کہ پاک ہے اللہ نوم سے بھی پاک ہے اللہ اونگھنے سے پاک ہے اللہ بھٹکنے سے پاک ہے اللہ بے راہ چلنے سے بھی تو سبحان کا کلمہ رکھا گیا ہے تنزیہہ کے لئے اور جگہ جگہ قرآن کریم نے اس کی طرف دعوت دی ہے کہیں فرمایا فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ط پاک ہے اللہ تم صبح کرو یا شام کرو۔ یعنی صبح و شام تغیر کی علامت اور تغیر ضعف کی علامت ہے اور وہ بری ہے سارے تغیرات تمہارے اندر ہیں۔ سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ط پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لیل کے مختصر حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی اور مسجد اقصیٰ سے عروج ہوا سموات کی طرف کہیں فرمایا سبح اسم ربک الاعلیٰ ط پاکی بیان کرو اپنے رب کی یسبح للہ من فی السموات ومن فی الارض ط سبح للہ ما فی السموت وما فی الارض جگہ جگہ قرآن کریم نے تسبیح کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جہاں تنزیہہ بیان کرتی ہے کہ وہ منزہ ہے ہر کوتاہی سے، ہر عیب سے، ہر شئے سے، تو پہلا مقام حق تعالیٰ شانہ، کی ذات کا تنزیہہ ہے کہ ہر عیب سے بری و بالا۔

دوسرا مقام

اس کے بعد دوسرا مقام ہے تنویہ یعنی اس کی عظمت شان کہ اس کی شان سب سے بڑی نرالی اور لا محدود عظمتوں کی مالک ہے اس کے لئے شریعت نے رکھا ہے کلمہ حمد کا، حمد کے معنی یہ ہیں الحمد للہ رب العالمین ط ساری تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ تعریف کبھی برائی پر تھوڑی ہی ہوتی ہے کمال ہی پر ہوتی ہے۔ تو جب ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں تو معنی یہ ہیں کہ سارے کمالات اسی کے لئے۔ وہ مصدر ہے سارے کمالات کا۔ ہر خیر اس کی طرف سے ہر برکت اس کی طرف سے ہر کمال اس کا علم اس کا ہر خوبی اس کی وہ سرچشمہ ہے تمام کمالات کا تو کمالات کے سرچشمہ ہونے کو ظاہر کیا ہے الحمد کے کلمے سے کہ ساری تعریفیں اس کے لئے ہیں اور جب ساری تعریفیں اس کے لئے ہیں تو سارے کمالات بھی اس کے لئے ہیں اس لئے کہ حمد کہتے ہیں کسی جمیل اختیاری پر حمد ہوتی ہے کہ کوئی عمل ہو اور کوئی کام ہو ارادی اور اختیاری وہ اتنا اعلیٰ ہو کہ جی چاہتا ہے کہ اس کی حمد کریں۔ تو اس حمد کے ظاہر کرنے کے لئے شریعت اسلامیہ نے کلمہ رکھا ہے حمد کا۔ الحمد للہ رب العالمین الحمد للہ فاطر السموات والارض۔ جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلث وربع۔ الحمد للہ الذی خلق السموت والارض وجعل الظلمت والنور الحمد للہ الذی لہ ما فی السموت وما فی الارض ط تو جگہ جگہ حمد کا کلمہ استعمال کیا ہے۔ بعض سورتیں شروع ہوتی ہیں الحمد للہ رب العالمین سے تو غرض تنزیہہ ہے کہ پاکی کی جائے اس کے لئے سبحان کا کلمہ ہے اور ایک تحمید ہے یہ دوسرا مقام ہے الوہیت کا۔ اور ظاہر بات ہے کہ جو ذات ایسی ہو

ہر عیب سے پاک اور ہر کمال کا سرچشمہ تو عظمت اور بڑائی اس
کے سوا کس کی ہو سکتی ہے ساری برکتیں اُس کی ساری عظمتیں
اُس کی۔ تو فرمایا کہ وللہ الکبریاء فی السمٰوات والارض
ساری بڑائیاں اس کے لیے ہیں۔ اس کو ظاہر کرنے کے لیے
اسلام نے رکھا ہے تکبیر کا کلمہ وہ اکبر ہے یعنی ہر چیز سے بالا۔
وللہ الکبریاء فی السمٰوات والارض۔ وھو الکبیر
المتعال۔ وہی ہے بڑا وہی ہے عالی اور بلند تو ہے اس کے
لیے کلمہ ہے تکبیر کا۔ اللہ اکبر یعنی اللہ ہر چیز سے بڑا ہے ہر
بڑائی اس کے سامنے حقیر ہے۔ ہر عظمت چھوٹی ہے اس کی عظمت
کے سامنے اب اگر کوئی ہنڈے کے سامنے چراغ جلا دے تو
کیا حقیقت ہوگی چراغ کی۔ اور سورج کے سامنے ہنڈا جلا
دے تو کیا حقیقت ہوگی ہنڈے کی۔ سارا اس کا نور گم ہو
کر رہ جائے گا۔ سورج کے نور میں تو انوار ربانی کے
سامنے کوئی نور نہیں چلتا سب مدہم ہو جاتے ہیں تو انوار
ربانی کے سامنے کوئی ہستی باقی نہیں رہتی۔

یہ معنی ہیں کبیر کے کہ بلندی اور برتری اور بالائی سب
اسی کے واسطے ہیں جس کو وللہ الکبریاء فی السمٰوات
والارض سے تعبیر کیا کہ آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی اُسی
کے واسطے ہے کہیں فرمایا گیا حدیث میں کہ الکبریاء ردائی
والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیھما تجزاو
بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری لنگی ہے جو اس
میں کھینچا تانی کرے گا تو میں یقیناً اُس کی گردن توڑ
دوں گا اور اسے نیچا دکھاؤں گا۔ اس لیے جو بھی کوئی کسی
مجلس میں بڑا بول بولتا ہے تو یقیناً اسی مجلس میں اس کی
حقارت کرنے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہر گناہ کے لیے
کچھ نہ کچھ سمائی ہے لیکن کبر اور نخوت جب ہوگی تو ہاتھ پہ
ہاتھ اس کو جواب ملے گا اس کی مغفرت نہیں یہ قابل برداشت
نہیں ہوگی اس لیے کہ گناہ ہے بندے کا اپنا فعل اور
اپنی صفت اور کبریائی ہے بڑائی اللہ تعالیٰ کی صفت جو اس
کی بڑائی میں حصہ دار بننا چاہے گا وہ باقی نہیں رہ سکتا
اس کو نیچا دکھایا جائیگا۔ ذلیل و رسوا کیا جائیگا۔ تو تیسرا
وصف ہوا۔

تمجید

حق تعالیٰ کی تمجید یعنی اس کی عظمت اور
اس کی بزرگی اور اس کی بڑائی اس کے
لیے تکبیر کا کلمہ رکھا گیا ہے کہ اللہ اکبر من کل شیءٍ
اللہ بڑا ہے ہر چیز سے۔ اب ظاہر بات ہے جو ہر عیب
سے پاک ہو اور خوبی کا سرچشمہ ہو بڑائی بھی اسی کے لیے ہو
تو اس کے علاوہ یکتائی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے۔ تو
اس سے پیدا ہوتی ہے توحید اس کے لیے کلمہ رکھا گیا
ہے تہلیل کا لا الٰہ الا اللہ کہ معبود اس کے سوا
کوئی نہیں۔ اسی کے آگے جھکیں گے اسی سے فریاد کریں
گے۔ اسی سے مدد مانگیں گے اور اسی کی طرف رجوع کرینگے
وہی دافع امراض ہے، ہر چیز ہر عبادت اسی کے لیے ہوگی
تو یہ دعویٰ توحید چوتھا مقام ہے۔

دعویٰ توحید کی تکمیل

اس سے اتنی بات واضح
ہوگی کہ توحید کا دعویٰ کبھی
مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ تین مقام سامنے نہ ہوں
تنزیہ مکمل ہو کہ ہر عیب سے پاک تحبیب مکمل ہو کہ ہر خوبی
کا مالک تکبیر مکمل کہ ہر عظمت اس کی جب یہ تین چیزیں ثابت
ہوں گی تب توحید کا وجود ہوگا اگر کوئی اللہ کی تنزیہ نہ
کرے اس میں مخلوق کی صفات مان لے یا مخلوق میں خالق
کی صفات مان لے تو وہ کبھی بھی توحید کا دعویٰ نہیں
کر سکتا اگر دعوے کرے گا تو جھوٹا دعویٰ ہوگا۔ توحید کا
پہلا قدم ہے تنزیہ کہ اس کی پاکی بیان کرو۔ ہر عیب سے
لم یلد ولم یولد نہ وہ کسی سے جنا گیا اور
نہ اس کی کوئی اصل ہے وہ خود اصل ہے نہ وہ کسی کو
جنے گا کہ کوئی اس کا بیٹا ہو یا کوئی اس کی بیوی ہو یا کوئی
کفو اور برابر ہو تو ان سب چیزوں سے پاکی بیان
کرے گا۔ آدمی تب توحید کے مقام پہ پہنچے گا۔ اللہ کے
باپ ہونے کا قائل ہو جائے اللہ کے لیے بیوی ہونے کا
قائل ہو جائے اس کے لیے کسی برابری کا قائل ہو جاتے
اس کے لیے کسی شریک ہونے کا قائل ہو جاتے وہ کبھی
بھی توحید کا مدعی نہیں بن سکتا اگر دعویٰ کرے گا
تو جھوٹا ہوگا۔ اس لیے کہ توحید کے لیے پہلا قدم ہے
تنزیہ۔ تو دعویٰ چاہے نصاریٰ کریں توحید کا چاہے

مشترک کہیں کریں مگر وہ زبانی دعوے ہے حقیقت اس میں کچھ
نہیں کیونکہ تنزیہ نہیں ان کے پاس۔ اسی طرح سے تنویہ
یعنی ساری عظمتیں اور بڑائیاں اس کی ورا براہ ان میں نقص
نہیں۔ اگر کوئی حق تعالےٰ کی ذات میں ادنیٰ درجے کا نقص
مان لے گا تو وہ تنزیہہ کے خلاف ہوگا اور توحید کے مقام
کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے یہود نے بندوں کی ناقص صفات
اللہ میں تسلیم کیں اور کہا کہ جب طوفان نوحؑ آیا۔ تو حق
تعالےٰ رونے لگے بیٹھ کر ہائے میری مخلوق ڈوب رہی ہے
تو معاذ اللہ اس کی اتنی قدرت نہیں تھی کہ بچا لے تو رونے
بیٹھ گئے اتنے روئے کہ آنکھیں دکھنے آگئیں اور فرشتے مزاج
پرسی کو گئے کہ حضرت اب آنکھیں کیسی ہیں آپ کی معاذ اللہ
معاذ اللہ تو مخلوق کی ناقص صفات مان لیں یہود نے خالق کے
اندر۔ اور نصاریٰ نے خالق کی خصوصی صفات مخلوق میں مان لیں
عیسےٰ علیہ السلام کو کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں تین
معبودوں میں سے ایک ہیں۔
علم غیب کل رکھتے ہیں۔ یہ سب سے پہلا دعویٰ
نصاریٰ کا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں محیط الکل
ہیں۔ مقتدر اعلیٰ ہیں پیدا کرتے ہیں چاہے موت دے دیں
یا زندگی۔ جو خصوصیات تھیں الوہیت کی وہ بندے میں مان
لیں جو مانی نہیں جا سکتی تھیں اور یہود نے جو ناقص صفات
تھیں بندوں کی وہ خدا میں مان لیں تو خالق اور مخلوق
کا فرق اٹھا دیا انہوں نے جو حدود تھیں توڑ دیں۔ تو جب
اللہ کی تنزیہہ باقی نہ رہے تنویہ باقی نہ رہے۔ تو توحید
تک نہیں آسکتا آدمی اور اس کے بعد تیسری چیز ہے تکبیر
کہ ساری عظمتیں اسی کی ہیں۔ جس میں بھی عظمت ہے تو وہ
اس کی عظمت کا کوئی جلوہ اور پرتو ہے فی الذات کسی میں
عظمت نہیں ہے۔ بذاتہ، عظمت صرف ذات حق ہے وہ
عطا کر دیں کسی کو عظمت تو وہ عظمت والا بن جائے گا
چھین لے عظمت تو وہ بے عظمت بن جائے گا۔ حکومت
دے دے کسی کو حاکم کہلائے گا۔ چھین لے حکومت حاکم
باقی نہیں رہے گا۔ کسی کو ملک دے دے تو وہ ملِک کہلائیگا
کسی سے چھین لے تو وہ ملک باقی نہیں رہے گا۔ لیکن اللہ
کا ملک ہونا ازل سے لے کر ابد تک ہے۔ اس کو کسی کی
دی ہوئی حکومت نہیں بالذات ملک ہے اس کی ملکیت
بالذات ہے یہ نہیں کہ اس کی ملک کو کوئی اس
سے چھین لے تو ہر ایک کی ملک چھن سکتی ہے ہر ایک
کا ملک جا سکتا ہے ہر ایک کا اقتدار جا سکتا ہے وہ
عارضی ہے آتا بھی ہے جاتا بھی ہے۔ لیکن ازل سے
لے کر ابد تک جس کی قدرت محیط، جس کا اقتدار محیط
جس کا ملک محیط جس کی ملک محیط اور وہ صرف
حق سبحانہ و تعالیٰ ہیں۔ اس لیے عظمتوں کی مالک صرف اللہ
کی ذات ہے اور اسی لیے نمازوں میں سبحان ربی العظیم
پڑھتے ہیں تاکہ عظمت نمایاں ہو۔

الوہیت کا انتہائی درجہ

یہ چار مقام ہوئے انتہائی درجہ ہے توحید کا۔
ابتدائی درجہ ہے تنزیہ کا۔ تنزیہ پھر تنویہ پھر تکبیر پھر جا
کر توحید پر آتا ہے ان تینوں کو پھلانگ کر کبھی توحید
تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور اگر دعوے کرے گا تو جھوٹا
دعویٰ کرے گا۔

حدیث پر نظر

یہ چاروں مقام بیان فرمائے گئے سبحان اللہ میں تسبیح آ
گئی کہ منزہ اور مقدس ہے ہر عیب سے وبحمدہ کے اندر
تنویہ آگئی کہ ہر کمال کا وہ مالک ہے اس کے لیے حمد
ہے اور سبحان اللہ العظیم کے اندر عظمت آگئی کہ ساری
بڑائیاں اس کے لیے ہیں اور جب ساری بڑائیاں اس
میں سارے کمالات اس کے سارے عیبوں سے وہ بری
اور بالا تو یکتا وہی ہوگا تو التزامی طور پر لا الہ الا
اللہ بھی اس سے نکل آیا۔ تو ایک حدیث میں تو ان
چاروں باتوں کو عبارۃً بیان کیا گیا ہے۔

محبوب کلمات

جیسے فرمایا گیا کہ احب الکلمات الی اللہ اربع سب سے زیادہ
محبوب کلمے اللہ کو چار ہیں۔ سبحان اللہ والحمد
للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر،
ان چاروں کلموں کو محبوب کہا گیا ہے تو یہاں عبارت
کے اندر چاروں کلمے موجود ہیں۔ سبحان اللہ بھی الحمد للہ
بھی اللہ اکبر بھی اور لا الہ الا اللہ بھی اس کلمے کے اندر

تین موجود ہیں عبارت ہیں اور ایک ہے اقتضاء ہیں کہ نص
تقاضا کرتی ہے اس کا اور وہ سبحان اللہ ہیں تو تسبیح آ
گئی اور وبحمدہ ہیں حمد آگئی العظیم ہیں عظمت آگئی اور
ان تینوں کے مجموعے سے لازم آگیا کہ ایک ذات ہے یکتا۔
اس سے لا الٰہ الا اللہ نکل آیا تو وہاں عبارت ہیں
موجود ہیں چاروں مقامات تو یہاں تین تو عبارت النص ہیں
موجود ہیں اور ایک مقام اقتضاء النص سے نکلتا ہے یہ
چاروں کلمے اللہ کو محبوب ہیں کیوں محبوب ہیں اس لیے
کہ اسی کے مقامات کے ترجمان ہیں اور یہ فطرت ہے کہ
جس پر کسی کی واقعیت بیان کی جائے تو وہ اسی کو پسند ہوگی
آپ کسی کی تعریف کریں بیٹھ کے بڑے غور سے سُنے گا بہت
خوش ہوگا اور اگر برائی کریں تو رنجیدہ ہوگا۔ بھلائیاں بیان
کریں خوش ہوگا۔ کیوں خوش ہوگا اس لیے کہ وہ بھلائیاں
اس کے اندر موجود ہیں خوش ہوگا کہ اس کو سنانے والے
موجود ہیں۔ اس کو بیان کرنے والے موجود ہیں تو فطرت
کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی کی خوبی بیان کی جائے تو
خوبی والا خوش ہوتا رہے گا۔ فطرۃً اس کے لیے دلیل
کی حاجت نہیں حق تعالیٰ کی خصوصیات جب کوئی بندہ
بیان کرے گا تو فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں وہ پسند
ہوں گی۔ وہ چیزیں محبوب بنیں گی ان کے سامنے یہ خصوصیات
الوہیت تھیں اس لیے جب بندہ انھیں ادا کرے گا تو
یہ کلمے بھی محبوب بنیں گے اور ادا کرنے والا بھی محبوب
بنے گا۔

تین وصف

تو اس سے میں نے عرض کیا کہ
تین اوصاف بیان فرمائے گئے
ایک حسی وصف ہے ایک معنوی وصف ہے اور ایک غیبی
وصف ہے۔ حسی وصف تو یہ ہے کہ زبان پر ہلکے پھلکے ہیں
ہر ایک محسوس کرے گا۔ اسے معنوی وصف یہ ہے کہ میزان
عمل میں وزنی اور ان کی عظمت کا بوجھ پڑتا ہے اور غیبی
وصف یہ ہے کہ حبیبتان الی الرحمٰن اللہ تعالےٰ کے
ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں تو امام بخاری کی سند
قابل داد ہے کہ سب سے پہلے وحی کا ذکر کیا کہ وہ پسندیدہ
چیز ہے چونکہ وحی کی حقیقت علم ہے اور علم سب سے

بڑی صفت ہے تمام صفات سے اس لیے کہ جتنی بھی صفات
ہیں وہ اپنی کارگزاری میں محتاج ہیں علم کی لیکن علم
اپنے کام کرنے میں کسی صفت کا محتاج نہیں غنی ہے۔
سب سے اول ارادہ ہے ارادہ آپ جب کریں گے جب
مراد کا علم ہو جائے اگر معلوم ہی نہیں مراد تو ارادہ
کس کا کریں گے آپ۔ اسی طرح قدرت ہے۔ قدرت
جب استعمال کریں گے جب اس مقدور کا علم تو ہو کہ مجھے
قدرت کاہے میں صرف کرنی ہے اگر اس مقدور کا علم
ہی نہ ہو تو قدرت کا بے جا صرف کر دیں گے آپ۔ تو
قدرت محتاج ہوتی اپنے کام کرنے میں علم کی۔ ارادہ
محتاج ہوا اپنے کام لانے میں علم کا۔ اقتدار ہے، یہ
محتاج ہے اس کا کہ وہ مقتدر چیزیں جن پہ آپ کو
اقتدار حاصل ہوگا پہلے سے معلوم تو ہوں۔ ایک ملک پہ
آپ اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس ملک کا علم تو ہو
کہ بھائی وہ کہاں تاکہ میں جاکر اس پہ اقتدار تو قائم کر
سکوں تو اقتدار نہیں آسکتا جب تک علم نہ ہو مقتدر
کا تو ارادہ بھی محتاج علم کا قدرت بھی محتاج علم کی اور
اقتدار بھی محتاج علم کا حفاظت آپ کریں تو پہلے اس
شے کا علم تو ہو جس کی آپ حفاظت کر رہے ہیں اور شے
معلوم نہ ہو تو آپ حفاظت کس کی کریں گے۔ تو حفیظ کی
صفت کام نہیں کرے گی۔ جب تک کہ پہلے علیم کی صفت
نہ ہو تو ہر صفت اپنے کام میں محتاج ہے علم کی لیکن
علم نہ ارادے کا محتاج نہ قدرت کا محتاج نہ اقتدار کا آپ
ریل میں جا رہے ہیں تالاب آگیا آپ ارادہ کریں یا نہ کریں
آپ کو علم ہو جائے گا کہ یہ تالاب، یہ نہیں کہ آپ
ارادہ کریں تو یہ معلوم ہو کہ یہ تالاب ہے اور اگر ارادہ
نہ کریں تو کچھ بھی معلوم نہ ہو ارادے کے ساتھ نہیں
جب شے آئے گی تو آپ کو علم ہو جائے گا۔ شہر دیکھ لیا
آپ نے علم ہو جائے گا کہ یہ شہر ہے علم اس کا محتاج
نہیں ہے کہ پہلے آپ اقتدار حاصل کریں شہر پہ اور پھر
معلوم ہو وہ تو آپ کو اس پہ اقتدار حاصل ہو نہ ہو
جب شہر سامنے آئے گا تو آپ کو علم ہو جائے گا۔
کہ یہ فلاں شہر ہے۔ تو علم نہ ارادے کا محتاج نہ قدرت

کا محتاج نہ اقتدار کا محتاج اور نہ ساری صفات محتاج ہیں
علم کی تو علم ام الصفات ہے سب سے اونچی صفت ظاہر
بات ہے کہ جب علم سب سے زیادہ اونچی صفت ہے اور
تمام صفات اس کی محتاج ہیں تو وحی بھی حقیقت علم ہی تو
ہے حق تعالیٰ وحی فرمائیں اپنے پیغمبر پر کیا معنی ہیں وحی کے
کہ علم اپنا القا کر دیا تو وحی کے دوسرے معنی علم خداوندی
کے ہیں تو وحی بھی محبوب چیز ہوئی کیونکہ علم محبوب ہے، انسان
کو تو محبوب چیز سے ابتدا کی اپنی کتاب کی یعنی بدأ الوحی سے
اور محبوب ہی چیز پر ختم کیا کتاب کو۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ و
سبحان اللہ العظیم۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو کتاب محبوبات
سے شروع ہو محبوبات پر ختم ہو تو بیچ کی ساری باتیں بھی
محبوبات میں داخل ہو جائیں گی۔

اوّل باآخر نسبتے دارد، ہر اوّل کو اپنے آخر سے نسبت
ہوتی ہے۔ اور بیچ کی چیزیں تابع ہوتی ہیں یا اوّل کے یا آخر
کے وہ خداداد چیزیں ہیں۔

ابتدا اور انتہا

کتاب کی ابتدا بھی ہوئی محبوب چیز
سے وہ علم خداوندی ہے اور کتاب
کی انتہا بھی ہوئی ایک ایسے عمل سے وہ عمل محبوب خداوندی
ہے یعنی سبحان اللہ پڑھنا، سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم
تو امام بخاریؒ کی سند بھی واقعی نرالی ہے اور انوکھی ہے جہاں
ان کا دل اور قلب پہنچا دوسرے نہیں پہنچ سکے امام بخاری
کی جلالت شان اور ان کا کمال وہ اسی کا مقتضی تھا کہ
کتاب بھی اتنے ہی کمالات سے بھری ہوئی ہو

امام بخاریؒ کی جلالت قدر

تو امام بخاریؒ بھی روایت
کرتے ہیں یکتا کہ صحیح
بخاری کے اندر جو حدیثیں ہیں وہ ان کی شرائط پر منطبق
ہیں وہ نہایت ہی اونچی حدیثیں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں
ہے کہ صحیح حدیث کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔

مسلم میں بھی صحیح حدیثیں ہیں ترمذی میں بھی صحیح حدیثیں ہیں
نسائی میں بھی ہیں۔ تو صحیح حدیثیں اور کتاب میں بھی ہیں مگر
مگر جن شرائط اور محتاط طریقے سے امام بخاریؒ قبول کرتے ہیں
ان سے سب نیچے نیچے ہیں نہایت پکی شرطیں ہوتی ہیں ان میں
گنجائش نہ ہو کچھ کہنے سننے کی۔ تو ایسی کڑی شرطیں روایت میں
لگائی ہیں امام بخاری نے کہ وہ اور صحیحوں سے بڑھ کر
صحیح ہیں روایت میں جن کو روایت کر دیا امام بخاری نے

بخاری شریف کی فضیلت

اسی لیے امت کا
اس پر اجماع ہے
اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہ اللہ کی کتاب کے بعد سب
سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ کتاب اللہ کے بعد
اس کا درجہ رکھا گیا اوّل تو طبعاً بھی بعد میں مرتبہ
ہونا چاہیئے۔ اس کا اس لیے کہ کتاب اللہ میں تو اللہ
کا علم ہے۔

کتاب اللہ کہتے ہیں اس کو کہ جس میں حق تعالیٰ
کا علم ہو اور یہ درحقیقت کتاب الرسول ہے جس میں
رسول کا علم ہے۔ ظاہر بات ہے کہ رسول کا درجہ تو
اللہ کے بعد ہی ہے۔ اس لیے رسول کے کتاب کا درجہ
بھی اللہ کی کتاب کے بعد ہوا۔ تو اعلیٰ ترین صحت کتاب
اللہ کی ہے کہ اس عالم میں کسی آسمانی کتاب کو وہ صحت
نصیب نہیں ہوئی وہ فصیحت اور وہ سندیت نصیب
نہیں ہوئی جو کتاب مبین کو ہوئی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے
کہ کلام اللہ درحقیقت صرف یہی ہے۔

آسمانی کتب میں قرآن کی حیثیت

توراۃ اپنے
حقیقی معنی
میں کلام اللہ نہیں ہے، انجیل حقیقی معنی کے لحاظ
سے کلام اللہ نہیں ہے اس لیے کہ کلام کہتے ہیں
ما یتکلم بہ جس کو بول کے بولنے والا وہ کہلاتا
ہے کلام لکھ کر دے دیں اس کو مجازاً کلام کہہ دیں
گے۔ خط کہیں گے کلام نہیں کہیں گے۔ یوں مجازاً آپ
کلام کہہ دیں گے۔

آپ نے کوئی مضمون اپنے دل کی حکمت سے دوسرے
کے دل میں ڈال دیا تو اسے علم نہیں کہیں گے۔ اس لیے
کہ زبان سے تو وہ کلام کیا نہیں آپ نے۔ تو موسیٰ کو
توراۃ دی گئی مگر پڑھ کر نہیں سنائی حق تعالیٰ نے۔
توراۃ کو لکھ کر الواح کے اوپر حوالے کر دیا۔ موسیٰ علیہ
السلام کے تو توراۃ کتاب خداوندی ہے۔ کلام خداوندی
نہیں ہے۔ مجازی طور پر اس کو کلام خداوندی کہیں

تو کہہ سکتے ہیں۔ حقیقی معنی میں وہ کتاب خداوندی ہے انجیل ہے وہ مضمون القاء فرمایا حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے قلب مبارک پر انہوں نے اپنے الفاظ میں اس کو ادا کیا جیسے حدیث ہے کہ یہ وحی ہے مضمون حق تعالیٰ کا ہے اور الفاظ حضورؐ کے ہیں اس میں وحی متلو وہ ہے جو قرآن ہے اور وحی غیر متلو یہ ہے وہاں الفاظ بھی اللہ کے ہیں اور مضمون بھی یہاں مضمون تو حق تعالیٰ کا ہے۔ لیکن الفاظ حضور کے ہیں اس میں۔ تو اس لیے انجیل کو مضمون خداوندی کہا جائے گا کلام خداوندی نہیں کہیں گے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے تکلم نہیں کیا مجازاً آپ کہہ دیں کہ یہ بھی کلام خداوندی ہے۔ لیکن قرآن کریم حقیقی معنی میں کلام خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ نے پڑھ کر سنایا لکھا بھی ہے لوح محفوظ میں یہ کتاب خداوندی بھی ہے اور پڑھائے جبرئیل علیہ السلام کے سامنے یہ کلام خداوندی بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں تذکرہ فرمایا گیا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی حضرت جبرائیل پر تو اس کی عظمت سے تمام ملائکہ بے ہوش ہو جاتے تھے اور جب ہوش میں آتے تو پوچھتے ماذا قال ربنا قال الحق وهو العلي الكبير۔ کیا فرمایا ہمارے پروردگار نے جبرائیل فرماتے کہ حق فرمایا اور وہ علی کبیر ہے تو پورا قرآن سنایا ہے حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو اور جبرائیل علیہ السلام نے پورا قرآن سنایا ہے آکر نبی کریم کو۔

قرآن کتاب بھی ہے اور کلام بھی

تو قرآن کریم کتاب خداوندی بھی ہے کہ سب سے پہلے اس کو لوح محفوظ میں لکھا گیا اور اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر لکھا کہ وہ حروف ذرا خفی تھے اور لوح محفوظ کے حروف جلی تھے بعض احادیث میں ہے کہ ایک ایک حرف کوہ قاف کے برابر تھا جیسا لکھنے والا ویسا اس کا قلم ویسے اس کے حروف ویسی ہی اس کی لوح لکھنے والا لامحدود عظمت والا ہے اس کے کلام کی کتابت بھی ایسی ہی ہوگی۔ اور اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر چھوٹے حرفوں میں لکھا گیا۔ یہاں سے حمائل کا ماخذ نکل آیا۔ مسلمان بڑی تختی میں بھی لکھتے ہیں۔ قرآن حکیم اور چھوٹی حمائل شریف بھی گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حمائل بھی لکھ دی اور لوح محفوظ پر جلی حروف میں بھی لکھا۔ اس کا ماخذ بھی موجود ہے، تو بہر حال یہ کتاب خداوندی بھی ہے جس کو قرآن کہتے ہیں اور کلام خداوندی بھی ہے جس کا تقدس کیا اور پھر جبرائیل علیہ السلام نے تکلم کیا حضور علیہ السلام کے سامنے احادیث میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں دور کرتے تھے حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ پڑھتے پھر جبرائیل علیہ السلام پڑھتے۔ وفات کا جو سال ہے جس کے بعد وہ آخری رمضان ہے اس میں دو مرتبہ دور فرمایا۔ تو تکلم واقع ہوا۔ نبیؐ کی زبان سے بھی یہ کلام ادا ہوا اور فرشتے کی زبان سے بھی یہ کلام ادا ہوا۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ تکلم ہوا کہ کلام حقیقی صرف کلام خداوندی یہ ہی ہے قرآن دوسری چیزوں کو کلام مجازاً کہہ دیں گے۔ حقیقتاً وہ یا کتاب خداوندی ہے یا مضمون خداوندی۔ لیکن کلام اسی کو کہیں گے جس کے ساتھ تکلم واقع ہوا۔

قرآن و حدیث کا فرق

تو یوں کہنا چاہیے کہ حدیث تو ہے مضمون خداوندی الفاظ ہیں حضورؐ کے اور قرآن ہے کلام خداوندی کہ لفظ بھی اللہ کے اور مفہوم بھی اللہ کے اس لیے اس کو وحی متلو کہتے ہیں کہ وہ تلاوت میں آتی ہے اور اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں کہ یہ ان معنوں تلاوت میں نہیں آتی۔ لیکن محبت کا اور استفادے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔

علماء کا شغف بالحدیث

چنانچہ بعض علماء کا معمول رہا ہے کہ جہاں وہ دو چار پارے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے تو وہاں وہ بخاری کا پارہ یا نصف یا ربع یا ثلث مقرر کر لیتے تھے اور اس کی بھی تلاوت کرتے تھے اب بھی بعض علماء ایسے ہیں کہ وہ تلاوت کرتے ہیں بخاری کی دو تین سال میں ختم کر دیتے ہیں تو تلاوت کرنے میں ایک تو برکت حاصل ہوگی۔ دوسرا نسبت پیدا ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے۔ جتنا کسی کے کلام کو پڑھا جائے اس سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے یعنی دل اٹک جاتا ہے لگاؤ پیدا ہوتا ہے اور اگر با معنی پڑھے آدمی تو حقائق تک پہنچتا ہے اور اگر مراقبے کے ساتھ پڑھے تو کیفیات بھی طاری ہونے لگتی ہیں

شاہ عبدالعزیز کا ارشاد

شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے بیٹھو تو تصور یہ کرو کہ میں تلاوت نہیں کر رہا۔ حق تعالیٰ تلاوت کر رہے ہیں زبان میری ہل رہی ہے۔ زبان میری ہے کلام ان کا ہے تکلم ہو رہا ہے: وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ

ہمارا نبی جو کلام کرتا ہے کلام ہمارا ہے زبان ان کی ہے۔ زبان مظہر بنی ہوتی ہے۔

شاہ رفیع الدین کا ارشاد

تو شاہ رفیع الدین لکھتے ہیں کہ تلاوت کرنے بیٹھو تو اس لحاظ سے کرو کہ کلام حق تعالےٰ کا ہے وہ پڑھ رہے ہیں زبان میری حرکت کر رہی ہے اس پہ عبور ہو رہا ہے وہ پڑھ رہے ہیں اس کلام پر۔ تو کہتے ہیں کہ یہ مراقبہ جب مضبوط ہو جائے گا اور منصف ہو جائے گی تو معلوم یہ ہوگا کہ صراحتہً غیب سے آواز آنی بھی شروع ہو جاتی ہے کشف کے اندر کہ حقیقتاً تلاوت تم نہیں کر رہے ہو وہی کر رہے ہیں اور جب وہ تلاوت کریں تو پورے عالم کا ذرہ ذرہ ناطق ہوگا۔ اس کلام کے ساتھ ہر درخت کے پتہ سے آواز آتے گی کہ تلاوت ہو رہی ہے۔

کلام خداوندی کی خصوصیت

بہرحال یہ کلام خداوندی کی خصوصیت ہے کہ اس کی تلاوت کرو تو بڑھتا چلا جائے گا۔ تلاوت کثرت سے کرو تو نسبت پیدا ہوگی۔ حق تعالےٰ سے اور اس مراقبہ سے کرو تو وہ کیفیات جو ان آیات میں بھری ہوئی ہیں وہ قلب پر طاری ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اور قلب اور روح محسوس کرے گا۔ تو قیامت میں جا کر آنکھوں کو محسوس ہوگا۔

عظمتِ قرآن ایک اور رُخ

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حق تعالےٰ لوح محفوظ کو خطاب کریں گے کہ قرآن لا۔ وہ عرض کریگا کہ قرآن تو جبرائیل امین لے گئے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام کو بلایا جائے گا وہ اس طرح آئیں گے کہ ہاتھ اور پیر ان کے کانپتے ہوتے ہوں گے۔ اتنا مشکل ہوگا لرزتے ہوتے ہوں گے کہ معلوم نہیں کیا ہوگا۔ حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ یہ قرآن تم لے کر آتے لوح محفوظ سے۔ عرض کرینگے میں لے کر آیا۔ کہاں لے کر گئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر میں نے اُتارا تو طلبی ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائیں گے حق تعالےٰ کہ ہمارا قرآن پہنچا آپ تک جبرائیل نے پہنچایا آپ فرمائیں گے بلاشبہ پہنچایا۔ آپ نے کیا کیا میں نے اپنی امت کے سامنے تلاوت کیا اس کو پڑھا۔ اس کو سمجھایا یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم۔ تلاوت بھی کی۔ تعلیم بھی دی اور اس کی کیفیات بھی میں نے بتائیں۔ فرمائیں گے کہ اچھا اب ہمارے سامنے تلاوت کرو اور ان امتوں کے

پیغمبر کی جلالت شان

حدیث میں ہے کہ آپ کا منبر بچھایا جائے گا اس مقام پہ کہ جہاں آج آپ کا منبر بچھا ہوا ہے۔ یعنی مسجد نبویؐ میں۔ اس پہ بیٹھ کر آپ تلاوت فرمائیں گے۔ پوری ترتیل کے ساتھ اول سے لے کر آخر تک پورا قرآن پڑھیں گے اور دنیا کی ساری امتیں سنیں گی۔

تو اس وقت صحابہ کرامؓ کہیں گے کہ یہ قرآن تو ہم نے اب تک سنا ہی نہیں جو آج سن رہے ہیں اس لیے کہ وہ کیفیات جن کا ادراک روح کرتی تھی آج آنکھوں سے نظر آئیں گی۔ اور قرآن ایک باغ و بہار کے رنگ میں ہوگا۔ جس میں عجیب و غریب پھول کھلے ہوئے ہوں گے عجیب عجیب خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں تو مجسم کر دیا جائیگا پورے قرآن کو اور وہ کیفیات جو روحیں محسوس کرتی تھیں قیامت کو آنکھیں محسوس کرنے لگیں گی۔ ظاہر بات ہے کہ جب حق تعالےٰ سامنے ہوں تمام انبیاءؑ اور ملائکہ کا مجمع ہو۔ اور سید الاولین و آخرین پڑھ رہے ہوں تو کیا ٹھکانہ ان کیفیات کا جو قلوب پر طاری ہوں گی اور وہاں سے بڑھ کر آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی۔ تو درحقیقت قرآن حکیم میں پہلی چیز لفظ اور دوسری

افاداتِ محمود

مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود زید مجدہم کے ارشادات



ضبط و ترتیب : مولوی محمد یوسف خان

بطور مقدمہ کے کچھ امور ذکر کرنے ہیں۔ سب سے پہلے فضیلت قرآن اور فضیلت تعلیم و تعلّمِ قرآن کا ذکر کرتا ہوں۔

فضیلتِ قرآن و تعلیمہٗ و تعلّمہٗ

حدیث ۱ : امام ترمذی نے جامع میں ایک روایت نقل کی ہے حضرت زید بن ارقم رضؓ سے۔ جس میں حضرت زیدؓ فرماتے ہیں :

قام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یومًا "الخ" فقال فی خطبتہٖ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہٖ لن تضلوا بعدی فقال ھو کتاب اللّٰہ حبل ممدود بین السماء والارض ۔ (الحدیث)

ترجمہ : کھڑے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن۔ پس فرمایا۔ اپنے خطبہ میں۔ بیشک میں تم میں ایک چیز چھوڑنے والا ہوں۔ اگر تم اس کے ساتھ تمسک رکھو (اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو) تو میرے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ اور پھر فرمایا وہ کتاب اللہ ہے جو کہ لمبی رسی ہے آسمان و زمین کے درمیان" گویا کہ نزول قرآن آسمان سے زمین تک ہے لہٰذا اگر تم تمسک بالقرآن کرتے رہوگے تو گمراہ نہ ہوگے۔

حدیث ۲ : حضرت علیؓ سے روایت ہے :۔

قال اما انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول الا انہا ستکون فتنۃ فقلت ما المخرج منہا یا رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) قال کتاب اللّٰہ ۔ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہٗ من جبار قصمہ اللّٰہ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہٖ اضلّہ اللّٰہ ولا تلتبس بہ الا لسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الردّ ولا ینقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجنّ اذا سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآنًا عجبًا یھدی الی الرشد فاٰمنّا بہٖ من قال بہٖ صدق ومن عمل بہٖ اجر ومن حکم بہٖ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم (الحدیث رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث اسنادہ مجہول)

ترجمہ : فرمایا خبردار ہو جاؤ، تحقیق میں نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے۔ خبردار ہو جاؤ تحقیق (میری امت میں) فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نجات کی کیا صورت ہوگی۔ فرمایا کتاب اللہ (یعنی قرآن کے فہم و عمل سے تمام فتنوں اور گمراہیوں سے نجات ملے گی) اس میں اگلی امتوں کی خبر ہے (کہ وہ کیسے بگڑیں) بعد کی بھی خبر ہے۔ (قیامت کی علامات وغیرہ) حکم اور فیصلہ ہے اس چیز کا جو تمہارے درمیان (اختلاف) واقع ہو۔ وہ حق و باطل کے درمیان

فیصلہ کرنے والا ہے۔ بیہودہ کلام نہیں۔ جس
نے تکبر و انانیت سے قرآن کو چھوڑا اللہ اس
کو ہلاک کرے گا۔ جو شخص قرآن کے علاوہ
کہیں اور سے ہدایت ڈھونڈے گا تو اللہ تعالیٰ
اس کو اور گمراہ کر دے گا اور اس کے سبب
زبانیں نہیں ملتیں علماء اس سے (ہدایت و روشنی لے کر)
سیر نہیں ہوتے۔ کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں
ہوتا، اس کے عجائب و غرائب ختم نہیں ہوتے۔
وہ ایسا ہدایت نامہ ہے کہ جنوں نے سنتے ہی
کہہ دیا۔ ہم نے قرآن سنا۔ عجب راہ بتلاتا ہے
ہم اس پر ایمان لائے۔ جس نے کہا سچ کہا جو
اس پر عمل کرے گا اجر پائے گا جو اس کے
مطابق فیصلہ کرے گا وہ انصاف پائے گا۔
جو اس کی طرف بلائے گا وہ صراط مستقیم
پائے گا۔"

حدیث ۳: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت
ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
الذی لیس فی جوفہٖ شیءٌ من القراٰن کالبیت
الخرب۔ (قال الترمذی ہذا حدیث صحیح)

ترجمہ: فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے جس کے دل میں قرآن میں سے کچھ
بھی نہیں۔ وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

حدیث ۴: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے:
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خیرکم من تعلم القراٰن وعلمہٗ (رواہ البخاری)

ترجمہ: فرماتے ہیں فرمایا حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے، تم میں سے بہتر وہ شخص ہے
جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حدیث ۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
ہے۔ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الماھر بالقراٰن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی
یقرأ القراٰن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہٗ
اجران۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: فرماتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے۔ قرآن کے جاننے والا بزرگ نیک لکھنے
والوں کے ساتھ ہے اور وہ شخص جو قرآن
پڑھتا ہے اس میں اٹکتا ہے اور اس کے لیے
قرآن پڑھنا مشکل ہوتا ہے تو اس کو دو ثواب
ہوتے ہیں۔

(یعنی جو قرآن کو سمجھ کر اور عمل کی نیت سے
پڑھتا ہے اس کا بڑا ثواب ہے اور وہ فرشتوں کے
ساتھ ہے۔

حدیث ۶: حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مثل المؤمن الذی یقرأ القراٰن مثل الاُترجۃ
ریحھا طیب وطعمھا طیب ومثل المؤمن
الذی لا یقرأ القراٰن مثل التمرۃ لا ریح
لھا وطعمھا حلوٌ ومثل المنافق الذی
لا یقرأ القراٰن کمثل الحنظلۃ لیس لھا
ریح وطعمھا مُرٌّ ومثل المنافق الذی
یقرأ القراٰن مثل الریحانۃ ریحھا طیب
وطعمھا مُرٌّ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے۔ قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال مانند
ترنج کے ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی
ہے اور مزہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور قرآن
نہ پڑھنے والے کی مثال کھجور کی مانند ہے۔
کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر مزہ شیریں
ہوتا ہے۔ اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق
کی مثال اندرائن کے پھل کی طرح ہے کہ اس
میں بو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ
ہوتا ہے۔ اور وہ منافق جو قرآن پڑھتا ہے
اس کی مثال خوشبودار پھول کی طرح ہے کہ
اس کی خوشبو تو اچھی ہے مگر مزہ تلخ ہوتا ہے۔

حدیث ۷: حضرت علیؓ سے روایت ہے: قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ
القراٰن فاستظھرہ فاحل حلالہٗ وحرم
حرامہ ادخلہ اللہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ

من اهل بيته كلهم قد وجبت له النار۔
(قال الترمذی هذا غریب)

ترجمہ: فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو یاد کیا اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا۔ اللہ تعالے اس کو جنت میں داخل کردیں گے اور قرآن اس کے دس گھر والوں کی سفارش کرے گا جو ایسے ہوں گے کہ ان پر دوزخ واجب ہوگی۔ (یعنی ہوں گے تو مسلمان لیکن گناہوں کی وجہ سے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی)

حدیث ۵: حضرت عمر فاروق رضؓ سے روایت ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع بها آخرين۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ: فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بے شک اللہ تعالے اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو بلند کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو پست کرتے ہیں۔

(یعنی جو لوگ قرآن کے احکام پر عمل کرتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں اور اعراض کرنے والے ذلیل ہوتے ہیں)

دیکھ لیجئے! جب صحابہ کرام رضؓ کے پاس بذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن آیا۔ تو ان کو اتنا بلند کیا کہ آج علماء امت کا فیصلہ ہے کہ انسانیت میں انبیاء کے بعد سب سے بڑا رتبہ صحابہ کرام رضؓ کا ہے قیامت تک۔ پھر سب سے افضل صدیق اکبر پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان کو قرآن نے بلند کیا اور انقلاب پیدا ہو گیا اور وہ لوگ جو طرح طرح کے رسوم شرکات و بدعات اور بداخلاقیوں شراب قتال فحاشی میں مبتلا تھے اور قریش ایک گری ہوئی قوم تھی لیکن جب قرآن آیا تو یہ با اخلاق قوم بنی اور ایک ایک شخص پوری انسانیت پر بھاری ہو گیا۔ اور جو قوم قرآن سے منہ موڑتی ہے۔ اس کا حشر آپ دیکھ رہے ہیں۔

آج مسلمانوں کی آبادی ستر کروڑ ہے۔ ان کے پاس دولت بھی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمانوں کے ملک شارجہ، ابوظبی لاکھ دو لاکھ کی آبادی ہے۔ کویت، سعودی عرب کو دیکھئے کہ تیل کی صورت سیال سونا بہہ رہا ہے۔ لیکن دس کروڑ عرب مسلمان ۲۰ لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ حالانکہ یہودی وہ قوم ہے ضربت عليهم الذلة والمسكنة لیکن اس ذلیل قوم سے دس کروڑ عرب خائف ہیں۔ صرف اس لیے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ اور جب قرآن کو پکڑا تھا اس حال میں کہ ستر کروڑ نہیں صرف ستر تھے۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا لیکن تمام عالم پر بھاری تھے۔

تو یہ سارے عالم اسلام پر ذلت کہاں سے آئی۔ یہ بات قرآن چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ قرآن کے بغیر نظام نہیں چلتا صادق النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نزول قرآن

سب سے پہلے قرآن مجید غار حرا میں نازل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے باب کیف كان بدء الوحی کی تیسری حدیث ہے۔

عن عائشة رض انها قالت اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء۔ الخ:

ترجمہ: حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ پہلی وہ چیز جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا ہوئی رؤیا صالحہ تھے جنہیں آپ خواب میں دیکھتے تھے چنانچہ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آیا۔ پھر خلوت گزینی آپ کے نزدیک محبوب کر دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت گزینی فرماتے۔ (الخ)

مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف ایک پہاڑ جبل النور میں ایک غار ہے اس کو غار حرا کہا جاتا ہے۔ اور اسی میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ گھر سے حضرت خدیجہ رضؓ جو کہ پہلی بیوی تھیں زاد راہ بنا کر پیش کر دیتی تھیں۔ جب زاد راہ ختم ہو جاتا تو واپس آ جاتے۔ پھر تشریف لے جاتے زاد راہ لے کر۔ حدیث میں ہے فرمایا کہ میں غار حرا میں تھا کہ جبرئیل آئے ایک اجنبی صورت تھی اور آپ غار میں اکیلے تھے۔ جبرئیل نے فرمایا۔

اقراء فقال فقلت ما انا بقارئ قال فاخذني

فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقراء
فقلت ما انا بقارئٍ فاخذنی فغطنی الثانیہ حتی
بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت
ما انا بقارئٍ فاخذنی فغطنی الثالثہ ثم ارسلنی (الخ)

ترجمہ: پڑھیئے! آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہُوا نہیں
ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور
اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت
کی انتہاء کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا
(تین مرتبہ اس طرح کیا)

تین مرتبہ دبانے میں حکمت یہ تھی کہ ملکوت کی قوت آپؐ
کے سینے میں ڈال رہے تھے تاکہ قرآن کی برداشت حاصل
ہو جائے۔ چنانچہ روایت ہے آپؐ نے فرمایا کہ کبھی میرے
اوپر وحی آتی اس حال میں کہ اونٹنی پر سوار ہوتا تو وزنِ
وحی اتنا بھاری ہوتا کہ اونٹنی جھکتی کہ اس کا پیٹ زمین سے
لگ جائے کہ یہ قولِ ثقیل تھا۔ تو غطہ ثلاثہ (تین مرتبہ دبانا)
یہ تیاری تھی نزولِ وحی کی۔

پھر جبرائیل نے فرمایا:۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان
من علق (پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا
انسان کو جمے ہوئے خون سے) اس میں دیکھیئے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کو قرائت کا حکم ہے اور تسلی بھی ہے اپنے
پروردگار کا نام ہے ربوبیت کی صفت کا ذکر کیا کہ اللہ
آپ کی خصوصی تربیت فرمائیں گے۔

تربیت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئ کو درجہ کمال تک
پہنچانا۔ شیئاً فشیئاً تدریجاً (یک وقت نہیں) تو ربک میں
کاف ضمیر خطاب ہے۔ یہ اضافت اختصاص کے لیے ہے
کہ کمال بشریت کا آخری مقام آپ کو حاصل ہو جائے گا۔

اور پھر فرمایا کہ آپؐ کا رب خالق بھی ہے۔

خلق کا معنی یہ ہے کہ ایک شئ کو عدم سے وجود میں
لانا۔ آپ کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لائے۔

تو جب رب خالق ہے تیری ذات کو عدم سے وجود
میں لاتا ہے۔ لیکن قرائت تو ایک صفت ہے۔ آپ اُمّی
(بغیر پڑھے ہوئے) تھے قاری بن گئے۔ اس لیے کہ ایجاب
الذات الی کتم العدم انقل تھا لیکن صفت معدومہ
کو خلق الصفت میں لانا اسہل ہے تو جو خالق ذات
ہے تو وہ صفات کو پیدا کیوں نہیں کر سکتا۔

اقراء و ربك الاکرم۔

دوبارہ پھر اقراء کہا۔ یہ تردّد دُور کرنا ہے کہ تیرا رب
اکرم بھی ہے کہ الکریم اذا وعد وفیٰ۔ تو جب تربیت کا
وعدہ تیرے رب نے کیا ہے تو اس وعدہ کو پورا کریگا۔

الذی علم بالقلم۔

اشارہ کر دیا کہ تعلیم کے لیے اسباب بھی ہوتے ہیں
لہٰذا یہاں بھی تعلیم بالاسباب ہو گی کہ جبرائیل آئیں گے۔

علم الانسان ما لم یعلم۔

یہ ایک اور اشارہ کر دیا۔ کہ مالم یعلم کو بھی سکھا
چکا ہے آپ کو بھی سکھا دے گا۔ تردّد کی ضرورت نہیں۔

دیکھیئے! فرمایا تھا خلق الانسان من علق۔ یہ ایک
مثال بھی ہے کہ علق ایک منجمد خون ہے تو منجمد خون میں
روح نہیں تھی وہ میت تھا۔ اس سے انسانِ عاقل
کو پیدا کیا تو جب علق میّت سے عاقل کو پیدا کر
سکتا ہے تو کیا امیّت سے قرائت کی صفت پیدا
نہیں کر سکتا لہٰذا کیوں شک کرتے ہو۔

یاد رکھیئے! نطفہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ
میں رہتا ہے۔ اس کے بعد علق (جما ہُوا خون) بن جاتا
ہے۔ پھر چالیس دن بعد مضغہ بن جاتا ہے (گوشت
کا لوتھڑا) پھر چالیس دن بعد انسانی تشکل بن جاتی
ہے اور تیسرے چلّے کے بعد (چار ماہ کے بعد) روح
آ جاتی ہے۔ جب یہ روح آتی ہے تو یہ حیاتِ خفیفہ
ہوتی ہے غیر فعال ہے غیر مؤثر ہے اور قوت آتے
آتے جب بالکل مؤثر حیات آ جاتی ہے تو پھر ۹
ماہ بعد دنیا میں آ کر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو
یہ تدریجاً ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اربعین یوماً
(چالیس دن) میں کوئی اثر ہے۔ انقلاب حقائق ہے
شاید مشائخ کے چلّے بھی بایں معنی ہیں۔

اور بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس صاحب
نور اللہ مرقدہٗ نے بھی تبلیغ کے لیے چلّوں کا حساب لگایا
ہے۔ کہ عوام کے لیے تین چلّے ہیں اور علماء کے لیے
سات چلّے ہیں۔ اس میں بہت سے علماء گھبراتے ہیں

کہ کیا علماء کی اصلاح نہیں ہوئی؟ پھر اس گھبراہٹ کا جواب بعض عوام یوں دیتے ہیں کہ جی علماء کے دل میں علم کا تکبر ہوتا ہے۔ اور دیگر عجیب وغریب جواب دیتے ہیں۔

حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ عوام میں استعدادِ خدمتِ دین نہیں ہے۔ چونکہ علم نہیں ہے اس لیے وہ اصلاح نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کے لیے اتنا کافی ہے کہ قلب میں حیات آ جائے۔ توجہ الی اللہ سے معلوم ہوا کہ ان کو نفس حیات غیر مؤثرہ کی ضرورت ہے لیکن علماء کے لیے حیات مؤثرہ و فعال کی ضرورت ہے تو نفس حیات چار ماہ میں آتی ہے لہٰذا عوام کے لیے تین چلّے (چار ماہ) ہیں اور علماء کے لیے سات چلّے (نو ماہ دس دن) ہیں اور پورا بچہ بھی بطنِ ام سے ۹ ماہ دس دن بعد پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر حیات غیر مؤثرہ کے ساتھ مردہ بچہ باہر آئے تو اس پر احکام جاری نہیں ہوتے۔ جنازہ بھی نہیں پڑھا جاتا، وراثت بھی نہیں ملتی اور اگر مؤثر حیات کے ساتھ باہر آئے تو اس پر احکام جاری ہوتے ہیں وراثت کا حقدار بھی ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے عوام کو ورثۃ الانبیاء نہیں کہا بلکہ علماء کو کہا ہے۔

لہٰذا علماء کو حیات مؤثرہ (۹ ماہ دس دن) کی ضرورت ہے۔ کہ انہوں نے آگے چل کر کام کرنا ہے ان کو بڑی حیات کی ضرورت ہے اور یہ سات چلّوں کے بغیر نہیں آتی۔ اس لیے شاید حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرق فرمایا ہے۔ عوام اور علماء کے درمیان وقت تبلیغ میں۔

زمانہ نزول وحی

۱۳ سال مکہ میں نزول وحی ہوا اور دس سال مدینہ میں تو کل ۲۳ سال ہوئے لہٰذا تمام قرآن مجید ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔

۸۳ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں اور ۳۱ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ تو کل ۱۱۴ ہوئیں۔

نزول قرآن

قرآن کریم لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا میں آیا جملۃً واحدۃً (یک وقت تمام) رمضان کے مہینہ لیلۃ القدر میں۔

پھر حسب ضرورت آیات نازل ہوتیں لہٰذا انّا انزلناہ فی لیلۃ القدر الآیہ اور شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن الآیہ سے مراد لوح محفوظ سے سماء دنیا کے نزول کا ذکر ہے اور پھر ۲۳ سال میں حسب حاجات پر نازل ہوتا رہا۔

موجودہ ترتیب قرآن

اس وقت موجودہ قرآن مجید کی ترتیب بہ ترتیب لوحِ محفوظ ہے۔ یہ علی ترتیب النزول نہیں ہے۔

ترتیب نزول قرآن

۸۳ سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئیں ان کی ترتیب یہ ہے:-

۱- العلق (۲) القلم (۳) المزمل (۴) المدثر (۵) اللھب (۶) التکویر (۷) الاعلیٰ (۸) اللیل (۹) الفجر (۱۰) الضحیٰ (۱۱) الم نشرح (۱۲) العصر (۱۳) العادیات (۱۴) الکوثر (۱۵) التکاثر (۱۶) الماعون (۱۷) الکافرون ۱۸- الفیل (۱۹) الاخلاص (۲۰) النجم (۲۱) العبس (۲۲) القدر (۲۳) البروج (۲۴) التین (۲۵) القریش (۲۶) القارعہ (۲۷) القیامہ (۲۸) الھمزہ (۲۹) المرسلات ۳۰- قٓ (۳۱) البلد (۳۲) الطارق (۳۳) القمر (۳۴) صٓ (۳۵) الاعراف (۳۶) الجن (۳۷) یٰسٓ (۳۸) الفرقان (۳۹) الفاطر (۴۰) المریم (۴۱) طٰہٰ (۴۲) الواقعہ (۴۳) الشعراء (۴۴) النمل (۴۵) القصص (۴۶) بنی اسرائیل۔ ۴۷- یونس (۴۸) ھود (۴۹) یوسف (۵۰) الحجر۔ ۵۱- الانعام (۵۲) الصافات (۵۳) لقمان (۵۴) السبا ۵۵- الزمر (۵۶) المومن (۵۷) السجدہ (۵۸) حٰمٓ عسٓقٓ ۵۹- الزخرف (۶۰) الدخان (۶۱) الجاثیہ (۶۲) الاحقاف (۶۳) الذاریات (۶۴) الغاشیہ (۶۵) الکھف (۶۶) النحل۔ ۶۷- نوح (۶۸) ابراہیم (۶۹) الانبیاء (۷۰) المومنون۔ ۷۱- التنزیل (۷۲) الطور (۷۳) الملک (۷۴) الحاقہ۔

باقی ص ۳۲ پر

عظمتِ قرآن مجید اور علماءِ دیوبند

از

خطیبِ اسلام حضرت مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہٗ

ترتیب

محمد عبد العلیم انصاری

مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور میں دورہ تفسیر میں شریک طلبہ سے مولانا محمد اجمل صاحب کے خطاب کے چیدہ چیدہ حصے پیش خدمت ہیں ۔ یاد رہے کہ موصوف آج کل باقاعدگی سے درس بھی دے رہے ہیں ۔ (ادارہ)

میرے عزیز دوستو! اس دورِ پُرفتن میں تعلیم و تعلّم بالخصوص قرآن مجید کی تعلیم بہت بڑا جہاد ہے ۔ جب کہ ہر طرف گمراہی کا عروج ہو ۔ تو ایسی حالت میں اشتغال بالقرآن بڑی سعادت کی بات ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص رحمتوں سے اُن حضرات کو نوازا ہے جو کہ ہر وقت قرآن میں مشغول رہتے ہیں ۔ یہ سعادت کیوں نہ ہو جبکہ پیغمبرِ عربی، ھادیٔ کل، فخرِ رسل نے یہ فرمایا ہے ۔ کہ اے لوگو! یاد رکھنا میرے نزدیک وہ انسان بہتر ہے ۔ جو خود بھی قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو پڑھاتا ہے ۔ ارشادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ خیارکم او خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہٗ ۔ (الحدیث)

مَیں اپنے ان دوستوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہوں ۔ جو ہر وقت احساسِ کمتری میں مبتلا رہتے ہیں کہ کاش ہم انگریزی تعلیم حاصل کرتے تو ہم افسر یا کوئی اس جیسا عہدہ و منصب سنبھال لیتے اس علم کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے ۔ جبکہ اس کی قدر آج کل کے انسانوں میں نہیں رہی ۔ یہ ایک انتہائی گمراہی ہے اور ہلاکت ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی اور سابق گورنر احمد یار خان دونوں مسجد سے نماز پڑھ کر باہر نکلے اور سوال کیا کہ علماء کا وقار کیوں نہیں تو حضرت افغانی مدظلہ العالی اس کو جواب دینے والے تھے کہ اتنے میں ایک عورت اپنے بچے کو اٹھا کر لائی ۔ اور حضرت افغانی کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ کہ میرا بچہ بہت رو رہا ہے اس کو دم کر دو ۔ تو حضرت نے دم کر دیا ۔ اور بچہ چپ ہو گیا ۔ حضرت نے اس سابق گورنر کو کہا کہ یہ بچے کی ماں دوڑ کر تیرے پاس آئی ہے یا کہ میرے پاس ؟ اب بتلاؤ اس دنیا میں وقار علماء کا ہے یا کہ آپ کا ؟ تو فرمایا کہ یہ میرے اللہ نے آپ کو جواب دیا ۔

میرے محترم ! اس کی قدر و قیمت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت ہے ۔ اس کی شان و شوکت دنیا کے اعتبار سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ مسجد میں جب تک امام حاضر نہ ہو تو نماز نہیں ہو سکتی ۔ اور یہ بھی نہیں کہ اکیلا نماز پڑھ کر گھر واپس چلا

جائے - اسی طرح نماز جنازہ بھی بغیر مولوی کے کوئی
اور پڑھا نہیں سکتا - مولوی آگے ہوتا ہے باقی دنیا دار
انسان تمام چاہے وزیر ہو؟ بادشاہ ہو یہ سب کے سب
امام صاحب کے پیچھے ہوتے ہیں - یہ اللہ پاک نے دنیا
میں اعزاز رکھا اور اس سے بڑھ کر اعزاز کیا ہوگا کہ
جب کہ ہادی برحق، ختم المرسلین، سید الانبیاءؐ اس انسان کے
بارے میں اس انداز سے فرمائیں کہ میرے نزدیک تمام
مخلوق میں سے بہتر وہ انسان ہے جو کہ ہر وقت قرآن
کی تعلیم و تعلّم میں لگا رہے - تو میں سمجھتا ہوں عقل والے
انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے - اکابر دیوبند آپ کے
کے سامنے ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی خدمت کرنے میں
دنیا کو بھی ٹھکرا دیا اور دنیا دار کو بھی ٹھکرا دیا - اور میرے
اللہ پاک نے ان کی ضروریاتِ زندگی پوری فرمائیں - اس مدرسہ
کے بانی مبانی حضرت پیرِ طریقت، شیخ التفسیر مولانا احمد علی
صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام میں بیٹھ کر
چالیس سال درسِ قرآن دے کر ہزاروں کی تعداد میں
عوام، علماء، طلباء، کو اپنے قیمتی ارشادات سے نوازا - اور
اپنی اولاد کو بھی وصیت فرماتے چلے گئے کہ تم نے بھی
میرے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھنا ہے - تو آج بھی اس
قیمتی وصیت کو ذہن میں رکھ کر ویسے ہی خدمت قرآن میں
مصروف ہیں -

آج بھی ولی ابن ولی ابن شیخ التفسیر حضرت مولانا
عبید اللہ انور صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب اپنے
قیمتی موتیوں سے علماء، طلباء، اور عوام کو نواز رہے ہیں
یہ بھی خدا کی دین ہے جس کو عنایت کرے - یہ بھی خدمتِ
قرآن کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت آپ کی قبر مبارک
سے خوشبو کی مہک نے لاہور کی دیواروں کو نوازا - حضرت
لاہوریؒ نے تو نہ ریل میں درس قرآن چھوڑا اور نہ ہی
جیل میں -

ایک مرتبہ آپ کو سنٹرل جیل ملتان میں رکھا گیا چونکہ
جیل میں نہ جمعہ تھا نہ باجماعت نماز تھی - اس لیے آپ
کے کمرے کے پاس ایک ہندو تھا تو حضرتؒ نے اس کو
قرآن سنانا شروع کر دیا - جب حضرت درس دیتے دیتے
یا ایہا الناس اعبدوا پر پہنچے - تو وہ ایک ہی آنے میں
حیرت سے دیکھنے لگا اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ مجھے
کلمہ پڑھاؤ - کہنے لگا میں نے تمام لٹریچر انجیل، تورات،
زبور کا مطالعہ کیا ہے کہیں بھی تمام لوگوں کو اس طرح
خطاب نہیں ہوا - لیکن قرآن ایسی کتاب ہے جس نے
بغیر تخصیص کے اس انداز سے فرمایا یا ایہا الناس
اعبدوا - یہ ہی قرآن کا اعجاز ہے ___ تو اس وقت
جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے حضرتؒ کو اس کمرے سے
نکال دیا کسی اور جگہ لے گئے - اس نے کہا - یہ انسان
تو جیل میں بھی باز نہیں اور جیل سے تبدیل کر دیا -

میرے دوستو! اگر قرآن مجید پڑھا جائے دین سمجھ کر
تو ہر طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں - ہمارا اعزاز دنیا
اور آخرت میں دین کی وجہ سے ہے - قیمت ظرف کی
نہیں ہوتی بلکہ مظروف کی ہوتی ہے - علماء کی قدر و قیمت
انسان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دین کی وجہ سے
ہے - اس سابقہ حکومت نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا
تھا کہ کوئی بھی علمِ دین کی طرف راغب نہ ہو - لیکن
جسے خدا رکھے اسے کون چکھے -

میرے عزیز دوستو! یہ تو اپنے مقدر کی بات
ہے - آپ اس دور پر نظر دوڑائیں - مری کی قید و بند
میں کوئی ہٹلر کی تاریخ پڑھ رہا ہے اور کوئی قرآن پڑھ
رہے ہیں - ادھر ذرا نظر کرو تو سہی وہ چٹائی پر بیٹھنے
والا ملّا، بوریا نشین شیخ الہندؒ کا صحیح جانشین مفتی اعظم
ترمذی کی شرح لکھ رہے ہیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء (مقدر اپنا اپنا)

بہر حال اس کتاب مقدس کے ساتھ ہمارا لگاؤ ہونا
چاہیے - اس کے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہے - قوم کی حالت دیکھو
ادھر ملک کے سربراہ جنرل ضیا صاحب تقریر کر رہے ہیں
لوگ تقریر سننے کے لیے گروہ در گروہ جمع ہو رہے ہیں
تقریر کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک خطیب
بول رہا ہے - محض دین کی وجہ سے دین کی بات تھی
ہر جملہ پر مرحبا مرحبا سے داد دی جا رہی ہے - نیز ہر
جملہ میں انشاء اللہ کہہ رہا ہے - اس وجہ سے تیس برس
سے اب تک ہمارے حکمران گمراہی کی گھٹاؤں میں پلے
ہوئے تھے، ان کی زبانوں سے کبھی ایسے جملے نہیں

سنتے تھے۔

فوقیت علمِ دین

ایک مرتبہ حضرت لاہوریؒ نے ہندوستان سے تمام اکابر کو تقریر کے لیے دعوت دی۔ ان میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بھی تھے۔ آپ نے یہاں تین گھنٹے تقریر فرمائی۔ یہ بات مشہور تھی کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن جن کی کتاب "اشاعت الاسلام" مشہور ہے اور مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن یہ تمام حضرات بہت بڑے ادیب تھے۔ وہ دماغ سمجھے جاتے تھے اور علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ دل سمجھے جاتے تھے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ زبان سمجھے جاتے تھے۔ تو آپ نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں علامہ اقبال کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے حضرات موجود تھے۔ تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر کے اثرات یہ تھے کہ تقریر کے دوران سر شفیع اٹھا اور کہنے لگا کہ کاش میری ماں بھی اس کالج میں داخل کرتی جس کالج میں "شبیر احمد عثمانی" کی ماں نے داخل کیا تھا۔

بہر حال علماء دیوبند کا ہر ایک فرد ادارہ اور انجمن کے قائمقام اس سر شفیع نے مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی۔ آپ اورنٹیل کالج میں بحیثیت صدر مدرس کے تشریف لائیں۔ مولانا کو ہر مکتب فکر جانتا ہے کیونکہ ان کی کتابیں ہر فرد پڑھتا ہے۔ اور سر شفیع نے کہا۔ کہ میں آپ کو ایک ہزار روپیہ تنخواہ۔ دو ماہ کی چھٹیاں اور ایک کار۔ ان کے علاوہ اور بھی مراعات دوں گا۔ تو قاصد کے ذریعے اپنا جواب لکھا۔ کہ میں آپ کا ممنون ہوں۔ مجھے دارالعلوم سے جو تنخواہ ملتی ہے اس میں سے بھی بچ جاتی ہے۔ باقی میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسی چٹائی پر بیٹھا رہوں۔ جب یہ خط پڑھا تو رونے لگا اور اپنے تمام عملہ کو یہ خط پڑھوایا۔ اس لئے کہ ائرکنڈیشن میں بیٹھنا گوارا نہیں، مراعات گوارا نہیں کیونکہ زندگی فانی ہے۔

میرے عزیز دوستو! حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک دور ایسا آنے والا ہے جو کہ فلسفہ سائنس وغیرہ کا ہوگا۔ اس کے دفاع کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کی تعلیم عام ہو چونکہ یہ لوگ کہیں گے کہ یہ قرآن فرسودہ نظام ہے۔ یاد رکھنا۔ اگر آپ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو اپنا لیا جو قرآن و سنت کی روشنی میں جدید دنیا کے چیلنج کا جواب ہے تو تمہارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے چاروں فرقوں میں ایسی تطبیق دی کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ ہے ربوبیت کا کمال۔ ربوبیت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ ماں کے پستانوں میں دودھ پہلے بعد میں بچہ۔ یہ ربوبیت کا تقاضا ہے کیونکہ اسلام کا تصور فقط حاکمیت کا ہی نہیں۔

ذرا حضرت عمرؓ کی خلافت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو سہی۔ عقل حیران ہو جاتی ہے کہ جہاں خلیفہ وقت رات کی تاریکیوں میں اپنی رعایا کی نگرانی میں لگے ہوتے ہیں۔ حاکم اعلیٰ ہیں لیکن اپنے کندھے مبارک پر سامان لاد کر بوڑھی عورت کے گھر میں پہنچا رہے ہیں۔ ایک وقت میں خلیفۂ رسولؐ ہیں دوسری طرف اس بڑھیا سے اپنی اہم غلطی کی معافی مانگ رہے ہیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے اللہ کی درگاہ اقدس میں مقدمہ دائر نہ کرنا اور پھر اسی وقت سے شیر خوار بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کر دیا۔ سادگی و عاجزی کا عالم یہ تھا کہ ایک وقت کے خلیفہ اور بادشاہ تھے۔ دوسری طرف اپنے جسم اطہر پہ پیوند لگے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ایک طرف آپ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے خطبہ دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک بدوی کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے۔ کہتا ہے۔ یا عمر! جنگ کے مالِ غنیمت میں سے ہمیں ایک ہی چادر ملی آپ نے دو چادریں کیوں لیں۔ قربان جاؤں فراستِ فاروقی پر۔ آپ نے فرمایا کہ اے میرے لختِ جگر عبداللہ! اس سوال کا جواب دو۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا تو پھر بدوی بیٹھا۔

تصویر کے دوسرے رُخ پر ذرا نظر ڈالو۔ اتنے بہادر اور جری تھے کہ قیصر و کسریٰ کے محلات حضرت عمرؓ کے نام سے کانپتے تھے۔ اسی لیے انگریز کو بھی یہ بات کہنی پڑی اگر ایک عمرؓ اور ہوتے تو تمام دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا۔

بہر کیف قرآن کی تعلیم و تعلم انتہائی ضروری ہے آخر میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پورے قرآن مجید کو پانچ بابوں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ علماء دیوبند نے تمام دنیا کو مغلوب کر کے رکھ دیا۔ آپ اسی دور کو دیکھ لیں۔ پوری قوم نے ہر لحاظ سے اپنا امیر اس شخصیت کو چنا جو حضرت شیخ الہند، مولانا شاہ ولی اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا مدنی مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا صحیح جانشین ہے اور وراثت پیغمبری کا صحیح وارث ہے جس کو مفتی اعظم مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خدا ان کی عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین!

بقیہ: تقریر قاری محمد طیب صاحب

چیز معنی ہیں اور تیسری چیز اس کے حقائق ہیں۔ اور چوتھی چیز حقائق کے نیچے اس کی کیفیات ہیں جو ارواح پر طاری ہوتی ہیں کبھی خوف کا غلبہ کبھی خشیت کا غلبہ کبھی رجا کا غلبہ کبھی امید کا غلبہ کبھی رحمت سامنے کبھی قہر سامنے یہ روح محسوس کرتی ہے وہاں آنکھیں محسوس کرنے لگیں گی

قرآن و حدیث کا فرق

تو اس لیے میں نے عرض کیا کہ قرآن کریم میں تو کیفیات الوہیت جمع ہیں اور کلام رسول میں کیفیات نبوۃ جمع ہیں۔ اگر آپ نے قرآن کو تلاوت کیا تو کیفیات الہیہ آپ کے باطن پر طاری ہوں گی اور کلام نبوۃ کو تلاوت کریں گے۔ تو کوائف نبوت آپ کے قلب کے اوپر طاری ہوں گے۔ اور پھر محسوس کریں گے آپ کہ یہ کیسا عجیب و غریب کلام ہے کہ کتنے سمندر چھپے ہوئے ہیں اس میں تو بہر حال یہ تو داستان بڑی طویل ہے مقصد میرا یہ تھا عرض کرنے کا کہ پہلی بات تھی کتاب کی صنعت اور دوسری چیز تھی حدیث کی خصوصیات۔

بقیہ: افاداتِ محمود

۷۵۔ المعارج (۷۶) النباء (۷۷) النازعات (۷۸) الانفطار
۷۹۔ الانشقاق (۸۰) الروم (۸۱) العنکبوت (۸۲) المطففین
۸۳۔ الفاتحہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ عنکبوت آخری سورت مکیہ ہے۔ ضحاک اور عطاء کے نزدیک المومنون آخری سورت مکیہ ہے۔

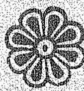
مجاہد کے نزدیک آخری سورت مکیہ المطففین ہے اور سورت فاتحہ بھی مکیہ ہے لیکن اس کی ترتیب نزول کا علم نہیں ہے شاید مکرر نازل ہوئی ہوگی۔ اور باقی ۳۱ سورتیں جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ البقرہ (۲) الانفال (۳) آل عمران (۴) الاحزاب (۵) الممتحنہ (۶) النساء (۷) الزلزال (۸) الحدید (۹) محمد (۱۰) الرعد (۱۱) الرحمن (۱۲) الدھر (۱۳) الطلاق (۱۴) البینہ ۱۵۔ الحشر (۱۶) الفلق (۱۷) الناس (۱۸) النصر (۱۹) النور ۲۰۔ الحج (۲۱) المنافقین (۲۲) المجادلہ (۲۳) الحجرات۔ (۲۴) التحریم (۲۵) الصف (۲۶) الجمعہ (۲۷) التغابن (۲۸) الفتح (۲۹) التوبہ (۳۰) المائدہ (۳۱) الشوریٰ

بعض علماء سورۂ توبہ کو سورۂ مائدہ سے پہلے ذکر کرتے ہیں اور بعض بعد میں۔ تو اس میں اختلاف ہے۔

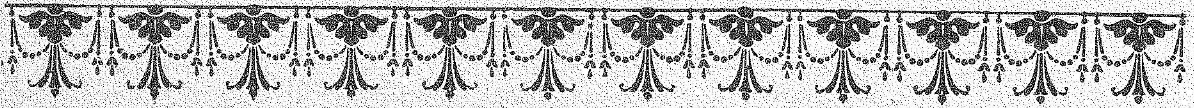
اسی طرح سورہ شوریٰ میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ہے۔

یہ تفصیل ۱۱۴ سورتوں کی تھی۔



محمد یعقوب پراچہ

دین نام ہے نصیحت کا



اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ ۔

ترجمہ: اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرو (خلاف ورزی کرکے) اپنے نیک اعمال کو بے ثواب نہ بناؤ۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوگیا کہ جو نیک عمل اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم اور طریقہ کے خلاف ہوگا وہ عمل اجر و ثواب سے خالی ہوگا۔ اس سے ان حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو صرف نیک عمل ہونے کو اجر کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور طریقۂ عمل (سنت) کو اہمیت نہیں دیتے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ———

نیکیوں کا موسم بہار ہے اس میں مغفرت و رحمت اتنی کثیر اور وافر ہوتی ہے کہ بموجب فرمان نبویؐ صرف ازلی بدبخت ہی محروم رہ سکتا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف جھانکتے ہیں۔ جس جس پر نظر مبارک پڑ جاتی ہے اس کو کبھی عذاب نہیں ہوگا ——— نیز رمضان المبارک کی ہر رات کو دس لاکھ ایسے آدمیوں کی مغفرت ہو جاتی ہے جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی ہوتی ہے اور آخری رات کو مہینہ بھر کی مجموعی تعداد کے برابر دوزخ سے نجات ملتی ہے۔

اسی طرح تراویح کے مسائل بے شمار ہیں مثلاً ایک حدیث شریف کے مطابق ایک ایک سجدہ پانچ پانچ لاکھ نیکی مقبول اور بہشت میں سرخ ہیرے کا ایک بہت بڑا محل جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہیں اور ہر ہر دروازہ میں ایک سونے کا محل ہے جو سرخ رنگ کے موتیوں سے جڑا ہوا ہے۔ نیز بہشت میں ایک پھلدار درخت لگ جاتا ہے جس کا عمودی سایہ تیز رفتار سوار پانچ سو سال میں بمشکل طے کر سکے۔ یہ سب کچھ صرف ایک سجدہ پر ملے گا۔ ایک رات کی بیس تراویح کے چالیس سجدے ہوتے ہیں تو ایک رات کی تراویح کا اجر دو کروڑ نیکیاں چالیس محل جن کے چوبیس لاکھ دروازے مع اپنی چوبیس ہزار سونے کی ڈیوڑھیوں کے جو سرخ موتیوں سے جڑی ہوئی ہیں اور چالیس پھلدار درخت جن کے سایہ کو تیز رفتار سوار بیس ہزار سال کے عرصہ میں طے کر سکے۔ یہ صلہ صرف ایک رات کی تراویح کا ہے۔ اب تیس رات کی تراویح کا ثواب ساٹھ کروڑ نیکیاں، ایک سو بیس محل، بہتر لاکھ دروازے مع بہتر ہزار سونے کی ڈیوڑھیوں اور ایک سو بیس پھلدار درخت جن کا سایہ ساٹھ سال میں نہایت تیز رفتاری سے ختم نہ ہو سکے۔ یہ ثواب صرف سجدوں کا ہے۔ باقی قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ، تشہد اور سماعت قرآن کا ثواب علیحدہ ہے۔ جو گنتی اور حساب میں نہیں آ سکتا۔ مگر افسوس کہ اتنا بڑا فائدہ اکثر حفاظ کرام اور ان کے نمازی بے شعوری طور پر ضائع کر دیتے ہیں اور اپنے اس عظیم نقصان کا کچھ بھی احساس نہیں کرتے۔ بلکہ خوش فہمی میں مبتلا ہو کر ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

ایک نبوی پیشین گوئی کے مطابق قیامت کے دن بعض حضرات اپنی ساٹھ ساٹھ سالہ نمازوں اور روزوں کے ثواب سے بالکل محروم ہوں گے۔ یہ نقصان ختم قرآن کے موقع پر حافظ کو پگڑی اور پیسے دینے کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ قرآن سن کر اجرت دینا اور سنا کر اجرت لینا حرام ہے اور کوئی شخص اس بات سے دھوکہ نہ کھائے کہ حافظ صاحب نے ہمیں خدا واسطے قرآن سنایا اور ہم نے خدا واسطے اس کی مدد کر دی۔ یہ لینا دینا اجرت ہی ہے نام بدلنے یا لفظوں کے ہیر پھیر سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔

حدیث شریف میں ہے اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ۔ یعنی قرآن خوانی کا صلہ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں وصول کرنے کی جلدی نہ مچاؤ۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میری امت پر ایسا دور بھی آئے گا کہ قرآن سنانے والے خود بھی ہلاک (گنہگار) ہوں گے۔ اور سننے والوں کو بھی گنہگار کریں گے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اجرت لے کر قرآن سنانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا ثواب سے محرومی کے علاوہ گناہ بھی ہے۔ ایسے حافظ سے قرآن سننے سے الم ترکیف سے تراویح پڑھ لینا ہزار درجہ افضل ہے۔ قرآن سنا کر اجرت لینا ایسا حرام ہے جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ حضرات، فقہاء انام، علماء اسلام اور بزرگان دین سب کا اتفاق ہے۔ آسمان کے نیچے زمین کی پشت پر ایک بھی ایسا ذمہ دار عالم نہیں ہے جو قرآن سنا کر اجرت لینے کو جائز کہتا ہو۔ اگر ایسے موقع پر کسی بزرگ نے منع کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کی ہے تو ان کی خاموشی ناجائز کو جائز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولتے حرمت کے کھلے اعلان کے مقابلہ میں کسی عالم یا بزرگ کی محض خاموشی کو ترجیح دینا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ جن بزرگوں نے منع کرنے کے موقع پر خاموشی اختیار کئے رکھی۔ جس کی وجہ سے عوام نے ناجائز کو جائز کا مقام دے دیا ہے تو ان بزرگوں کے حق میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالے ان کی مغفرت فرما دے اور ہماری بھی۔ آمین!

مومنو! خدا کے لیے اپنے آپ پر رحم کھاؤ۔ ختم قرآن کے موقع پر حافظوں کو قرآن سنانے پر معاوضہ دے کر اپنی تراویح کا ثواب ضائع نہ کرو۔

میں نے صرف خیرخواہی کے طور پر مقدور بھر کوشش کی ہے اور جو کچھ ہوا اللہ تعالے کی توفیق سے ہوا۔ میں نے اسی پر توکل کر لیا ہے اور اسی کے حکموں کو تسلیم کرتا ہوں۔

بقیہ - احادیث الرسولؐ

داخل ہیں۔

۳- کان کی حفاظت - ہر مکروہ چیز جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے

۴- باقی اعضائے بدن کی حفاظت۔ مثلاً ہاتھ کو ناجائز چیز کے پکڑنے اور اور پاؤں کو ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا۔

۵- افطاری کے وقت اتنا زیادہ نہ کھانا کہ ہضم نہ ہو سکے اس لیے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔

۶- یہ کہ روزہ دار کو روزہ کے بعد اس چیز سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ نہ معلوم یہ روزہ قبول ہوا یا نہیں۔

قرآن مجید میں روزہ کا حکم اسی صورت میں نازل ہوا ہے "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ مقصد یہ ہے کہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان روزہ کی حالت میں بطور خاص ہر بدگوئی اور جھوٹ سے بچے گا۔ گناہ اور گناہ کے تصور سے گریز کرے گا۔ اپنا دل و دماغ اور ذہن و تصور اللہ پاک کی طرف متوجہ رکھے گا تو یقیناً روزہ اس کے لیے بہترین ڈھال ثابت ہوگا۔



۲۶ شعبان ۱۳۹۷ھ



نیک لوگوں کی صحبت اختیار کیجئے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ پ ۱۵ ع ۱۶

تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں



جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدقین

محترم حضرات! صحبت سے اثر پذیر ہونے کا انکار شاید ہی کوئی کرے۔ انسان جس قسم کی صحبت اختیار کرتا ہے دیر یا سویر اس کا رنگ اس پر فرور چڑھ جاتا ہے۔ صلحاء اور ابرار کی مجالست و ہمنشینی طبیعت کو نیکیوں کی طرف مائل کرتی ہے اور اشرار اور غلط کار لوگوں کی مخالطت و مصاحبت سے انسان معصیت و جرائم پر دلیر ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں فساق و فجار کی صحبت و موانست سے مسلمانوں کو اجتناب کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اور صلحاء اور اتقیاء کی محبت و مودت اور ان سے میل جول رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ارشاد باری ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدقین۔ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو) جو شخص صادقین کی معیت اختیار کرے گا وہ ان کے فیضِ صحبت سے ان کی سی اعلیٰ صفات سے متصف ہو جائے گا۔ گویا ان کی طرح وہ بھی سچ ہی بولے گا اور سچ ہی کی تصدیق کرے گا۔ مشہور ہے کہ ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نیک اور پرہیزگار ساتھی کی مثال اس شخص کی ہے جو مشک لئے ہوئے ہوتا ہے اور برے ہمنشین کی مثال اس شخص کی ہے جو بھٹی دھونک رہا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ مشک والا یا تو تمہیں مشک دے دے گا اور (یا) اگر نہ بھی دے تو کم از کم مشک کی خوشبو سے تو یقیناً فیضیاب ہو گے۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو (آگ سے) تیرے کپڑے جلا دے گا ورنہ بھٹی کی گندی بو اور تپش و حدت تو ضرور تجھے پریشان کرے گی۔

گویا اپنی امت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اچھے لوگوں کی ہمنشینی فائدے سے اور برے لوگوں کا اختلاط نقصان سے خالی نہیں ہوتا۔ تو عقلمند وہ ہے جو فائدے اور نفع کی چیز اختیار کرے اور نقصان دہ اور مضر چیز سے احتراز و اجتناب کرے۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

ہمنشین صالحاں باش اے پسر دور باش از رند و قلاش اے پسر

قرآن پاک میں فساق و فجار اور کج رووں کی محافل میں جانے اور ان کے ساتھ محبت و مودت کا رشتہ قائم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ارشاد ہے۔ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پ رکوع ۱۴) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں (احکام شریعت پر نکتہ چینی اور استہزاء کرتے ہیں) تو ان سے الگ رہ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے (اور تو بھول کر ایسے بے سمجھ اور گمراہ لوگوں کی مجلس میں بیٹھ گیا) تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس

نہ بیٹھو (کہ یہ لوگ بے عقل، مستحق عذاب ہیں ان سے اختلاط ہرگز جائز نہیں)

دوسرے مقام پر منافقین کے ایک مجنونانہ اور احمقانہ خیال کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ منافقین کو خوشخبری سنا دیں کہ ان کے واسطے دردناک عذاب ہے اور وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا اُن کے ہاں عزت چاہتے ہیں۔ عزت تو ساری اللہ ہی کے قبضہ میں ہے " آگے فرمایا گیا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ۔ اور اللہ نے تم پر قرآن میں حکم اُتارا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں پر انکار اور مذاق ہوتا سنو تو ان (مذاق اور استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ نہ بیٹھو حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ یہاں تک کہ (وہ) کسی دوسری بات میں مشغول ہوں۔ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ یعنی اگر تم ان کے استہزاء و مذاق کے وقت ان کے ساتھ بیٹھے تو تم بھی انھیں جیسے ہو جاؤ گے۔ ان آیات میں ایک تو منافقین کے اس خیال کو لغو بتایا گیا ہے کہ کفار کے پاس بیٹھنے اور ان سے راہ و رسم پیدا کرنے سے عزت مل جائے گی۔ کیونکہ عزت تو فقط اللہ ہی کے لیے ہے۔ دوسرے ان آیات میں ایسے ہرزہ سرا لوگوں کی مجلس میں جانے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے جو آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں، اور تعلیمات اسلام پر تمسخر کرتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ ایسی محافل سے اجتناب واجب ہے جن میں ارشادات و آیات خداوندی اور احادیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ اور ان پر خواہ مخواہ کی نکتہ چینی کی جاتی ہو۔ ایک مومن و مسلمان کی مومنانہ غیرت و حمیت کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہیئے کہ اس قسم کی بے ہودہ اور ظالمانہ مجالس سے کنارہ کش رہے اور ایسے جاہل اور اول فول بکنے والوں سے پناہ مانگے۔ ایسے ظالموں کی صحبت و ہمنشینی سخت نقصان دہ ہوتی ہے۔ بارھویں پارے میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ ان کی طرف مت جھکو (یعنی ان سے دوستی اور محبت کا رشتہ قائم نہ کرو اور نہ ان کے افعال اقوال میں شریک ہو) (ورنہ) پھر تمہیں بھی آگ چھوئے گی۔

بُری مجالس میں جانے والے کے دل میں احکام شریعت کی عظمت باقی نہیں رہ جاتی، گمراہوں کی مسلسل مصاحبت اور میل جول سے خدا کا ڈر دل میں نہیں رہتا اور گناہ اور جرم کے ارتکاب سے شرمندگی نہیں ہوتی۔ صحبتِ بد کے اثر سے آدمی گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا۔ فقہاء کہتے ہیں کہ گناہ کو ہلکا اور سبک سمجھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ گناہ کا مطلب ہوتا ہے "خدا کی نافرمانی" تو خدا کی نافرمانی کرنا اور پھر یہ سمجھنا کہ کچھ نہیں کیا کتنے ظلم کی بات ہے۔ اَشَدُّ الذُّنُوْبِ مَا اسْتَخَفَّ بِهٖ صَاحِبُهٗ۔ سب سے بڑا گناہ وہ ہے جسے اُس کا مرتکب (یعنی گناہ کرنے والا) ہلکا اور معمولی سمجھے۔

محترم حضرات! گناہ بڑا ہو، مگر آدمی اس پر پشیمان اور نادم ہو تو معاف ہو جانے کی امید ہوتی ہے۔ لیکن چھوٹا ہو۔ مگر اسے سبک سمجھے اور اس سے بے پرواہ رہے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں نے خالق کی نافرمانی کی ہے، تو چھوٹا گناہ بھی بڑا بن جاتا ہے۔ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے بڑا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اُس سے ڈرنا چاہیئے۔ اس پر نادم و شرمسار ہونا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ یا عائشۃ! اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ۔ اے عائشہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچتی رہ۔ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا۔ خدا چھوٹے گناہوں پر بھی گرفت فرما سکتے ہیں۔

تو ایسی مجالس میں جن میں انسان کے دل سے گناہ کا خوف جاتا رہے جانا حرام اور ناجائز ہے۔ ایسی مجالس سے اجتناب ہی واجب ہے۔

محترم حضرات! آج کل آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض جگہ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ نہایت بے ہودہ باتیں چلتی رہتی ہیں اور کسی داڑھی والے کو دیکھتے ہیں تو داڑھی کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ داڑھی رسول اللہ کی سنت ہے اور یہ لوگ خود کو مسلمان کہتے ہوئے اللہ کے رسول کی سنت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یاد رکھیئے سنت پر عمل نہ کرنا ایک جرم اور گناہ تو ہے۔

کفر نہیں۔ لیکن سنت کا مذاق اڑانا اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیئے جہاں اس قسم کی ہرزہ سرائی ہوتی ہو۔ ایسے گمراہ لوگوں کی صحبت و رفاقت اختیار کرنے والا قیامت میں پچھتائے گا اور کہے گا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۔ ہائے میری شامت۔ کاش میں نے فلاں (شریر و گمراہ) کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

اے برادر دور باش از یارِ بد ۔ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

سانپ سے جان کو خطرہ ہوتا ہے۔ مگر بُرے دوست سے ایمان کو خطرہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں بار بار اس کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ انسان سوچ سمجھ کر دوست بنائے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ ارشاد ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ۔ یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک یہ دیکھے کہ اس کا دوست کون ہے؟ اس لئے کہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے آدمی اُس

کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ ع اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ۔

ایک روایت میں آتا ہے یُحْشَرُ الْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ۔ آدمی کا حشر اس کے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اگر دوستی اچھے کے ساتھ رہی ہوگی تو اس نے بھی اس کی صحبت سے متاثر ہوکر اچھے ہی اعمال کئے ہوں گے لہٰذا اکٹھے ہی محشور ہوں گے۔ اور اگر تعلق فاسق و فاجر سے رہا ہوگا تو اس سے متاثر ہوکر اس نے بھی غلط راہ ہی اختیار کی ہوگی۔ اس لئے ان دونوں کا بھی ایک ساتھ حشر ہوگا۔ گویا آدمی قیامت کے دن اُس زمرہ میں ہوگا جس میں اُس کا محبوب ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے سرورِ کائنات صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا تو نے قیامت کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے۔ عرض کیا نماز اور دوسرے اعمالِ صالحہ کا سرمایہ تو زیادہ نہیں ہے البتہ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ یہ سُن کر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کے دن ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد وہ کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوئے تھے۔

ایک اور حدیث شریف میں کسی کو دوست بنانے کے متعلق ہدایت فرمائی گئی ہے کہ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ ———
یعنی صحبت کامل ایمان والے کی ہی اختیار کرو۔ اور کھانا پرہیزگار کو ہی کھلا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کن لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست بہتر ہے۔ فرمایا جن کا دیکھنا تمھیں اللہ کی یاد دلائے اور جن کا بولنا تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جن کا عمل آخرت کی یاد تازہ کرائے۔

محترم دوستو! نیک لوگوں کی دوستی آخرت میں بھی قائم رہے گی جب کہ دوسری ہر قسم کی دوستیاں اس دن کام نہ آئیں گی۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (پ ۲۵ رکوع ۱۳) اُس دن دوست بھی آپس میں دشمن ہو جائیں گے۔ ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہوگا۔ جو دنیا میں جگری دوست ہوں گے وہ آخرت میں ایک دوسرے کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے۔ اُس دن مارے ہول اور دہشت کے تمام دوستیاں اور سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ وَلَا یَتَسَاءَلُوْنَ (پ رکوع ۶) پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ رشتے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

دوست دوست سے بھاگے گا۔ ماں بیٹے سے بیزار ہوگی بھائی کو بھائی سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ۔ جس روز انسان بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے۔

خدا کے روبرو جب دن قیامت کا بپا ہوگا
تو اس دن باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ہوگا
نہ ہمشیرہ برادر کی نہ زوجہ اپنے شوہر کی
وہ ایسا وقت ہوگا بھائی بھائی سے جُدا ہوگا

مگر ایسے شدید وقت اور ہیبتناک دن میں نیکوکاروں کی دوستیاں برقرار رہے گی۔ ارشاد ہے۔ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی اس دن دوست دشمن ہو جائیں گے (دوستی ٹوٹ جائے گی) مگر پرہیزگار (کہ ان کی دوستی اُس دن بھی قائم رہے گی)

یہی وجہ ہے کہ بار بار اس پر زور دیا گیا ہے کہ پرہیزگاروں کی صحبت اختیار کرو۔ اس دنیا میں جو لوگ اللہ کے نیک بندوں سے اللہ ہی کے لئے دوستی رکھیں گے قیامت میں انھیں بڑے اعزاز عطا ہوں گے اور ایسے خوش نصیب لوگوں کو حق تعالیٰ آواز دیں گے۔

اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِی اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔

میری بزرگی اور عظمت کی وجہ سے آپس میں محبت رکھنے والے کہاں ہیں۔ میں آج ان کو اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے یعنی اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے نفرت کرنا۔

تو حضرات گرامی قدر! خود بھی اچھی محفل میں بیٹھا کرو۔ اور اپنے بچوں اور متعلقین کو بھی اللہ والوں کی مجلس میں بھیجا کرو۔ بُرے لوگوں کی مجلس میں خود بھی نہ بیٹھو اور اپنے متعلقین کو بھی ان سے بچتے رہنے کی تلقین کرو۔ بُروں کی محفل میں بیٹھنے والے اور بُروں سے مودت و محبت رکھنے والے میں بُرائیاں سرایت کر جاتی ہیں۔ اور جو صلحاً اور اتقیاء کی مصاحبت اختیار کرے گا وہ نیک اعمال کی توفیق پائے گا۔ باعمل علماء کی مجلس میں بیٹھنے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دل و دماغ آلائشوں اور ظلمتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے علماء کی صحبت سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔ البتہ ان علماء سوء سے دور رہنا چاہیئے جو حق کو چھپاتے

ہوں غلط سلط مسائل بتاتے ہوں اور حرص ولالچ کا شکار ہوں اور دن رات امراء اور حکام کے دروازوں پر حاضری دیتے ہوں۔ اور ان سے اختلاط پر فخر کرتے ہوں۔

سرور کائنات کا ارشاد ہے۔

العلماء امناء الدین ما لم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فھم لصوص الدین۔

علماء دین کے امین ہیں جب تک وہ امراء و حکام میں نہ گھلیں ملیں اور جب اُن میں گھل مل جائیں تو وُہ دین کے ڈاکو اور رہزن ہیں

بہر حال جو علماء دین کے ڈاکو نہ ہوں بلکہ دین کے امین ہوں ان کی صحبت ان کی رفاقت اور ان کے تعلق و محبت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس لئے ان کی پاکیزہ صحبت اور پر حکمت گفتگو سے ضرور مستفید ہونا چاہیئے

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

عقلمندوں کا قول ہے کہ اچھا دوست ملے تو تنہائی مذموم ہے اور دوستی اور رفاقت محمود ہے اور اگر اچھا دوست میسر نہ ہو تو پھر عزلت گزینی ہی میں فائدہ ہے کہ وحدۃ المرء خیر من جلیس السوء ——— دوست

اپنے دوست کے مرنے کے بعد بھی اُسے فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ نیک شخص کی نظر آخرت پر رہتی ہے۔ اسے مرنے والوں کا خیال رہتا ہے۔ اس لئے اپنے وفات یافتہ دوستوں کے ایصال ثواب کی غرض سے مختلف طرح کے اُمور خیر انجام دیتا ہے۔

ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

مرنے کے بعد تیرے اہل خانہ تو تیرا مال پائیں گے اور اسے آپس میں تقسیم کرنے میں لگ جائیں گے مگر تیرے نیک دوست کو تیرے اعمال اور مآل کی فکر ہوگی۔ اور وہ تمہاری بخشش کے لیے دعائیں کرے گا۔

نیک دوست بلا شبہ اللہ کی نعمت ہوتا ہے وُہ دنیا میں بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور آخرت میں بھی کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صلحاء اور اپنے محبوب بندوں کی رفاقت و صحبت نصیب فرمائے۔ اور آخرت میں انبیاء اور اولیاء کے ساتھ محشور فرمائے۔

بُرے ہمنشین سے ہمیں اور ہمارے اقرباء کو بچائے اور ہمیشہ صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین۔





شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہم

○

معاشیات کا تعلق چونکہ انسان سے ہے اور انسان مختلف پہلو رکھتا ہے۔ چونکہ

۱۔ انسان ایک شخصی وجود رکھتا ہے، اس لیے اس کا ایک پہلو انفرادیت کا ہے۔

۲۔ اور اس لحاظ سے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے اجتماعی تعاون کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے اس کا دوسرا پہلو اجتماعیت کا ہے۔

۳۔ اس لحاظ سے کہ وہ زندہ مخلوق ہے اور اس کی بقاء حیات کے لیے مخصوص اسباب کی ضرورت ہے۔ اس جہت سے وہ معاشیات کا موضوع ہے۔

۴۔ پھر انسان چونکہ ایک روحانی مخلوق ہے۔ اس لیے وہ روحانیت کا بھی موضوع ہے۔

۵۔ انسان ایک مخصوص فطرت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ نفسیات کا موضوع ہے۔

۶۔ انسان کو چونکہ کائنات اور خالق کائنات دونوں سے تعلق ہے، اس لیے انسان کا ایک کائناتی پہلو ہے اور ایک الہیاتی پہلو بھی۔

اب جو مفکر انسان پر صرف معاشی حیثیت سے غور کرے گا، وہ خطرناک غلطی کا مرتکب ہوگا۔ جس طرح اگر کوئی انسان دل کا بھی مریض ہو اور معدے کا بھی، پھر دماغی مرض میں بھی مبتلا ہو، تو جو ڈاکٹر یا حکیم اگر اس کا علاج بحیثیت مریض قلب کرے گا اور معدے اور دماغ کے مرض کو نظر انداز کرے گا تو ایسی صورت میں اس انسان کی ہمہ جہتی صحت یابی ناممکن ہے۔ اگر انسانی اعضاء میں بلحاظ صحت باہمی ارتباط موجود ہے جس کی وجہ سے اس کی کلی صحت تمام اعضاء کے ممکن علاج کرنے پر موقوف ہے تو ایک انسان کا علاج بھی صرف معاشی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔ جب تک اس انسان کا تمام پہلوؤں سے علاج نہ کیا جائے

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان مفکرین نے انسان کے صرف ایک پہلو (معاشی) پر نظر ڈالی اور باقی تمام پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کیا۔ اس لیے الجھنیں بڑھتی گئیں اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہوا۔

اسلام کا ہمہ جہتی معاشی حل

اسلام چونکہ دین الٰہی ہے اس کی تمام انسانی پہلوؤں پر نظر ہے اس لیے اس نے انسانی انفرادیت کو بھی قائم رکھا اور جائز طریقوں سے انسان کو رزق کمانے اور شخصی ملکیت برقرار رکھنے کی پوری آزادی دی اور فوق ہاتھ اس کی اس فطری آزادی کو سلب کرنے کی مجاز نہیں قرآن پاک کا اعلان ہے۔

اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی۔

ہر انسان اپنے جائز اکتساب مال کے لیے سعی کرنے میں آزاد ہے اور اس کی کوشش کا ثمرہ صرف اسی کا حق ہے۔

بیہقی کی حدیث ہے کہ:

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة۔ اِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔

دینی فرائض کے بعد رزقِ حلال کمانا بھی انسان پر فرض ہے جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو زمین میں معاش کے لیے پھیل جاؤ۔

ان ہدایات میں معاشی ضروریات کے لیے سعی و عمل کی دعوت ہے اور عمل کا بڑا محرک فطرۃً شخصی ملکیت کا تصور اور اختصاصِ انفرادیت کا جذبہ ہے اس فطری امر کو اسلام نے برقرار رکھا، بلکہ ان ہدایات کے ذریعہ اس کو عمل پر ابھارا۔

اجتماعیت: لیکن انفرادیت کا تقاضا پورا کرنے کے بعد اسلام نے انسان کے اجتماعی پہلو کے متعلق بھی ہدایات دیں اور اجتماعی دائرہ کے فرائض سے بھی اس کو آگاہ کیا۔ اسلام نے انسان کو یہ تصور دیا کہ

پوری انسانیت ایک برادری ہے اور ایک کنبہ ہے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

(حجرات پ۲۶)

اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور ذاتیں بنائیں، تاکہ ایک دوسرے کا حق پہچانو۔

روح المعانی ج ۲۶ ص۱۶۲ میں ہے کہ:

لیعرف بعضکم بعضا فتصلوا الارحام وتبینوا الانساب والتوارث لا لتفاخروا الخ۔

یعنی یہ کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور حق قرابت ادا کرو اور انساب پہچان کر میراث کو اس کے مطابق تقسیم کرو۔ نہ اس لیے کہ تم ایک دوسرے پر بڑائی جتلاؤ۔

بیہقی حضرت انس سے مرفوعاً حدیث نقل کرتے ہیں۔

الناس عیال اللہ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

اللہ کو سب مخلوق میں وہی محبوب ہے، جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

قابلِ تعریف وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور قانونی واجبات کے علاوہ اپنے اموال میں سے سائل اور بے مال کو مالی مدد دینا اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں۔ یہی تفسیر مجاہد ابن عباس سے روح المعانی میں مرقوم ہے۔

اب جو قوم بھی خواہ روس ہو یا امریکہ، وحدت بشری کے اس فطری اجتماعی مسئلہ کو نظر انداز کرے تو اس قوم کی ساری کوشش اس حیثیت سے ہوگی، کہ روسی، امریکی قوم سربلند ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ باقی اقوام کو مغلوب اور مفلس اور قلاش بنا کر صرف ایک قوم کا پیٹ بھرنا اس کے پیش نظر رہے گا اور اس کی وجہ سے عام معاشی عالمی حالت خراب ہو جائے گی۔ جیسے آج کل مشاہدہ ہے کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق نصف انسانی آبادی روٹی سے محروم ہے۔

انسان کا روحانی پہلو

انسان ایک روحانی مخلوق بھی ہے۔ اگر اس کو اللہ سے ربط ہو اور نتائج اعمال اور مکافاتِ عمل کا یقین ہو۔ قلب، بخل، حرص، تکبر اور حبِ ذات حبِ قوم کی گندی آلائشوں سے پاک ہو تو اس کی اپنی معاشی حالت بھی ٹھیک ہوگی اور دوسرے انسانی افراد کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا اور کوئی دوسرا انسان اس کے ظلم کا شکار نہ ہوگا۔ لیکن اگر خود انسانی روح ناپاک ہو تو اس کا وجود دوسرے انسان کے لیے وبال ہوگا اور ہر وقت دوسرے انسان اس کے جانی و مالی مظالم کے تختۂ مشق بنتے رہیں گے۔ قوانین خواہ اچھے ہوں یا بُرے، لیکن ان کو نافذ کرنے والا بہر حال انسان ہی ہوگا۔

جب انسان کی روحانیت بگڑی ہوئی ہو تو قوانین چاہے عادلانہ ہوں وہ کیا کر سکتے ہیں۔ جس کی چشم دید دلیل دورِ حاضر کی بڑی طاقتیں ہیں جو آئے دن ضعیف اقوام کو تباہ کر رہی ہیں اور ان کو اقوام متحدہ نہ روک سکتی ہے اور نہ زبان سے ظالم و جارح کو ظالم و جارح کہہ سکتی ہے۔ خود ویٹ نام میں امریکہ کی تباہ کن کاروائی اور عرب کے خلاف بڑی طاقتوں کے اشارہ پر یہود کے مظالم اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اقوام متحدہ کو زبانی اور قلم ہلانے کی بھی یہ ہمت نہیں کہ بُرے کو بُرا کہہ سکیں۔ قرآن نے صحیح فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔

کامیاب ہوا وہ انسان جو روح کو پاک کرے اور ناکامیاب ہے۔ وہ انسان جس نے اغراض و مصالح دنیوی کی گندگی سے روح کو آلودہ کیا

انسان کا نفسیاتی پہلو

انسانی نفس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے انسان میں مال کی محبت رکھی ہے۔ جس کی حکمت یہ ہے کہ اگر انسان میں کلیۃً حبِّ مال نہ ہو تو وہ طلب مال چھوڑ دے گا۔ جس سے دنیا کی رونق بھی ختم ہو جائے گی اور چونکہ مال ہی سے انسانی زندگی قائم ہے۔ پس اگر مال نہ ہو تو خود انسان بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی وہ فطری محبت ہے جس کو قرآن ان بلیغ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔

اس آیت میں دنیوی محبوبات کی پوری تفصیلی فہرست بیان کی گئی کہ انسان کو فطرۃً انسانوں میں سے بیویوں اور اولاد سے محبت ہے اور جمادات میں سونے چاندی کے انباروں سے اور حیوانات میں عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں سے اور نباتات میں سے کھیت اور فصلوں سے۔

دوسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ انسان مال کی محبت میں حد سے زیادہ حریص اور شدید ہے۔ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ اس

لیے معاشی نظام کی درستی کے لیے انسان کے اس نفسیاتی جذبہ کی اصلاح اور اس کو اعتدال پر لانا ضروری ہے۔ جس کے لیے اسلام نے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

مذکورہ فہرست کے بعد قرآن کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

یہ مذکورہ چیزیں چند روز فائدہ اٹھانے کا سامان ہیں اور اللہ کے پاس وہ چیز ہے جو انجام حیات کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی

اس دور حیات کے فوائد کو تم ترجیح دیتے ہو اور زندگی کا اصلی آخری دور عمدگی میں دنیا سے بڑھ کر ہے اور پائدار بھی ہے۔

قرآن چونکہ خدائے حکیم کا کلام ہے اس لیے وہ نفسیاتی گُر سے واقف ہے۔ کہ مال اور دنیوی فوائد کی فطری محبت توڑی نہیں جا سکتی، البتہ موڑی جا سکتی ہے۔ یعنی اس محبت کا ازالہ نہیں ہو سکتا، البتہ امالہ ہو سکتا ہے یعنی اس محبت کا رُخ ایک بڑے محبوب کی طرف پھیرا جا سکتا ہے اس لیے قرآن نے گذشتہ آیات میں دنیوی نعمتوں کا اخروی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کیا کہ آخروی نعمتوں میں بلحاظ انجام حسن ہے۔ لیکن دنیوی نعمتوں کا انجام فنا ہے اور اخروی نعمتیں دنیوی نعمتوں کی بہ نسبت بہتر ہیں اور یہ بہتری اگرچہ لامحدود ہے لیکن اگر ان دونوں کے تفاوت کو پتھر اور سونے کے درمیان جو تفاوت ہے اس کے مماثل قرار دیا جائے تو بھی کوئی عاقل سونے پر پتھر کو ترجیح نہیں دے گا اور نہ سونے سے پتھر کو زیادہ محبوب سمجھے گا اور دوسرا موازنہ دوام اور ابقا ہونے کا موازنہ ہے۔ اگر کسی عاقل کو کہا جائے کہ تم اگر چاہو تو میں تم کو ایک من پتھر چند دن کے لیے دوں گا اور پھر واپس لوں گا اور اگر چاہو تو ایک من سونا ہمیشہ کے لیے دوں گا تو یقینی بات ہے کہ چند روز کے لیے پتھر حاصل کرنے کی نسبت دوامی طور پر ایک من سونا کا مالک بن جانے کو زیادہ محبوب جانے گا۔ اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کا رُخ دنیا سے آخرت کی محبوبات کی طرف پھیر کر انسان کے اس حرص دنیا و لالچ کا خاتمہ کر دیا جس سے انسان کی معاشی حالت پر ضرب پڑتی تھی۔

۲۔ دوسری طرف اسلام نے یہ ہدایت دی کہ انسان کے تمام مفاسد کی جڑ حبِ دنیا ہے۔ ظلم اور دوسرے انسانوں کی حق تلفی، چوری ڈاکہ، سود، رشوت، خیانت، بے اصولی ان سب کا اصلی سبب حبِ دنیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

حب الدنیا راس کل خطیئۃ

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

جس نے ظلم اور سرکشی اختیار کی اور دوسروں کا حق مارا اور آخرت کی پائدار اور محبوب زندگی پر دنیائے فانی کی حقیر زندگی کو ترجیح دی تو اُس نے جہنم اور دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنایا۔

الغرض ان ہدایات نے معاشی لوٹ کو ختم کیا اور انسانی محبت مال کو اپنے دائرہ کے اندر رکھا۔

۳۔ حبِ مال جو انسانی معاشرہ کے لیے منبع فساد ہے، اس کے امالہ کے لیے عملی مشق کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے اسلام نے ایسے عملی قوانین عطا کیے کہ انسانی حرص اور حبِ مال اس کی عملی مشق کی وجہ سے مغلوب ہو اور اس میں بنی نوع انسان پر مال صرف کرنے کی عادت پختہ ہو جائے۔ اس کے لیے قانون زکوٰۃ کے تحت اموالِ تجارت میں نصاب اور سال گذر جانے کی شرط کے تحت اڑھائی فیصد محتاج طبقہ پر صرف کرنا لازم قرار دیا۔ اسی طرح زمینی پیداوار میں اگر آبپاشی آسان ہو تو اس کا دسواں حصہ اور اگر مشکل ہو تو بیسواں حصہ محتاجین کا لازمی حق قرار دیا گیا۔

اسی طرح مخصوص جرائم کے کفارہ کے لیے قانون نافذ کیا کہ اگر روزہ توڑ دے یا بیوی کو یہ کہہ دے کہ تم میرے لیے ایسی ہے جیسے ماں کی پشت تو ساٹھ محتاجوں کو دو وقت کھانا یا کپڑے دینے پڑیں گے۔ اسی طرح اگر قسم توڑ دے تو اس کے کفارے میں دس محتاجوں کو کھانا یا کپڑا دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے صدقاتِ نافلہ کی ترغیب دی بلکہ اس میں اس حد تک ہدایت دی کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو، اس کو محتاجوں پر تقسیم کرو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔

آپ سے سوال کرتے ہیں کہ محتاجوں پر کس قدر خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جس قدر مال ضرورت سے زائد ہو۔

انسان کا کائناتی پہلو

انسان کو اس لحاظ سے بھی دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کل کائنات کا ایک اہم جزو ہے۔ جزو ہونے کے لحاظ سے بھی اس کے فرائض ہیں۔ وہ یہ کہ وہ کائنات کے لیے موجب تخریب، انسان دورِ حاضر

کائنات کے لیے تخریب کا سبب ہے۔ اگرچہ اس نے تعمیر کائنات
میں بھی حصہ لیا اور لے رہا ہے۔ لیکن اس کی تخریب تعمیر پر غالب
ہے۔ بالخصوص اس ایٹمی دور میں جب کہ انسان جدید نے نہ صرف
ہلاک انسان بلکہ ہلاک نباتات و عمارات و فساد آب و ہوا کے لیے وہ
خطرناک سامان تیار کیے کہ حرف ایا۔ میزائیل تین کروڑ انسانوں
کی تباہی کے لیے کافی ہے۔ [illegible] جراثیمی بم جو تین چھٹانک وزن
کا ہے برطانوی سائنس دان کی تحقیق کے مطابق تمام کرہ ارض کی
تباہی کے لیے کافی ہے۔ جس سے جاندار، بروبحر، ہوا اور زمین کی
قوت نامیہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ یہ وہ علامت تخریب ہے ۔

اگر شد گر اندیشہ پر کار مرگ — ہمہ حلمت اوست [illegible]

غیر سائنسی دور کے ہزاروں سالوں کی کائناتی تباہی سے دور
سائنس کی ایک گھنٹہ کی تباہی زیادہ ہے۔ اس تباہی کا لازمی نتیجہ معاشی
انحطاط ہے۔ بلکہ اس سے ذرائع معاش اور ذرائع سے کام
لینے والے انسان سب تباہ ہو جائیں گے اور زمین کاشت کے
قابل نہ رہے گی اور پانی میں جراثیم پھیل کر انسانی [illegible] اور زندگی کا
خاتمہ ہو جائے گا اور جو چیزیں انسان کے لیے مدار حیات ہیں۔ وہ
خاکستر کا ڈھیر بن جائیں گی ۔

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوائے کبر
اڑا جو ذرہ عنصر وہ پھر سوئے زمین آیا

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا (پ ۱۴)

تم اس نادان عورت کی طرح مت ہو جو اپنی محنت سے مضبوط
کاتے ہوئے سوت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتی تھی۔

انسان کا الٰہی پہلو:۔

انسان طبعاً آزاد نہیں وہ کائنات کے حاکم اعلیٰ کے
ماتحت ہے۔ اس کے ہاتھ میں جس قدر معاشی اور غیر معاشی
نعمتیں ہیں۔ وہ اسی حاکم اعلیٰ کی امانت ہے اور اسی کے حکم
کے تحت حاصل کی جائیں گی اور اسی کے حکم کے ماتحت صرف ہوں
گی۔ اس لیے اس نے اکتساب مال پر پابندی لگائی ہے تاکہ سرمایہ
دارانہ مفاسد پیدا نہ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مال حلال ذریعہ سے حاصل
کیا جائے نہ کہ حرام ذریعہ سے۔ تاکہ سرمایہ دارانہ طغیان اور سرکشی
پیدا نہ ہو۔ اس لیے اس نے وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔
یعنی تم ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ کہہ کر باطل کمائی کے
تمام دروازے بند کیے۔ خواہ استحصال ہو، استحصال بالجبر ہو، رشوت و
سود ہو، ظلم، خیانت، چوری ہو۔

یہ قانون اسلامی کی اکتسابی تحدید ہے۔ مجموعہ دولت چونکہ
مجموعہ افراد انسانی کا ذریعہ معاش ہے۔ اگر ایک انسانی طبقہ ناجائز
ذرائع سے مال بڑھائے گا تو دوسرے طبقے میں اسی تناسب سے
مال کی کمی پیدا ہوگی کیونکہ ناجائز ذرائع کا استعمال دو انسانوں کے
درمیان ہے۔ انسان اور غیر انسان کے درمیان نہیں۔ جب ایک
طبقہ کے پاس ناجائز ذریعے سے مال آئے گا تو جس انسان کے
ساتھ اس نے ناجائز معاملہ کیا۔ اس کے پاس مال کی کمی پیدا ہوگی
اور توازن معاشی بگڑ جائے گا۔

انفاقی تحدید:۔ اسلام نے دوسری تحدید اور پابندی
مال خرچ کرنے پر لگائی کہ وہ ناجائز کاموں میں صرف نہ ہو۔ جو تبذیر
ہے اور نہ بے ضرورت خرچ ہو جو اسراف ہے۔ بلکہ خرچ میں
اعتدال قائم رکھا جائے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (پ ۱۵)

تم ناجائز کاموں میں مال خرچ نہ کرو ایسے لوگ شیطان کے
بھائی ہیں اور شیطان خدا کی نعمت کا ناشکر گزار ہے۔

دیکھیے! قرآن نے اس جرم کے لیے کس قدر سخت لفظ
استعمال کیا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (پ ۱۵)

تم خرچ کے وقت نہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھے رکھو
کہ ضرورت پر بھی خرچ نہ کرو اور نہ بہت پھیلا کر رکھو کہ غیر ضروری
اشیاء پر خرچ کرنے لگ جاؤ۔ پہلی صورت میں بخل کا الزام لگ کر رسوا
اور ملامت زدہ ہو جاؤ گے اور دوسری صورت میں خود غریب اور
درماندہ ہو جاؤ گے۔

حدیث میں آیا: الاقتصاد نصف المعيشة۔
خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت کو درست کرنا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: البذاذة من الايمان
سادہ زندگی ایمان کی علامت ہے۔

خود حضور علیہ السلام، خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور تمام
مقبولین بارگاہ الٰہی نے ہمیشہ سادہ زندگی گزاری۔

ان ہدایات کی حکمت یہ ہے کہ جب مال ناجائز محل میں یا بے
جا صرف ہوگا تو بچت نہ ہوگی اور وہ محتاج طبقہ پر کچھ صرف نہ کر سکے گا

اگر صرف بے جا کی وجہ سے مال ہی نہ رہا تو غریب طبقہ کی خبرگیری کیسے کر سکیگا اور محتاجوں پر خرچ کرنے کے لیے اس کا ہاتھ خالی ہوگا۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت کا رُخ بے جا محل سے موڑ کر کارِ خیر، غرباء اور اشاعتِ دین کے کاموں کی طرف متوجہ کر دے اور یہی چیزیں ایسی ہیں۔ جن کی وجہ سے معاشی حالت میں بھی توازن پیدا ہوگا اور نیکی بھی پھیلے گی، جس سے دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی۔

یورپ کے صرفِ بے جا کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے جو عدمِ توازنِ معاشی کا اصلی سبب ہے۔

تقسیم دولت :- اسلام نے ایسے قوانین عطا کیے۔ جس سے زندگی میں بھی دولت زیادہ سے زیادہ حرکت کرے اور مرنے کے بعد بھی۔ زندگی میں جیسی قانونِ قانون زکوٰۃ، قانونِ عشر و نصف عشر و ربع عشر، قانونِ کفارات قانونِ صدقۃ الفطر، قانونِ اداء نذور، اعطاء سائل و محروم اور اعطاء زائد عن الفروریٰ ایسے قوانین ہیں جس سے دولت تقسیم ہو کر متحرک ہو جاتی ہے اور معاشی سطح متوازن ہو جاتی ہے۔ ادیانِ عالم اور قوانینِ انسانیہ میں ایسے مکمل نظام کی نظیر موجود نہیں۔

انسان جب مر جاتا ہے تو سرمایہ دارانہ نظام کے قانون میں میں اکبرالاولاد یعنی سب سے بڑا بیٹا یا بیٹی وارث ہوتے ہیں۔ گویا ایک سانپ خزانے سے ہٹا اور ایک دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا۔ باقی رشتہ داروں کو صرف گذارہ دیا جاتا ہے۔ ہندو اور ہندو دھرم شاستر میں صرف لڑکے وارث ہیں۔ لڑکیاں وارث نہیں۔ لیکن اسلام نے وراثتی تقسیم کا مکمل نظام مقرر کیا کہ اس میں کل اولاد ذکور و اناث، بیویاں، والدین بھائی بہنیں اور چچے بھتیجے سب حسب ترتیب مقرر حقدار ہوتے ہیں۔ جن کی تین قسمیں ہیں۔ ذوالفروض، عصبات، ذوالارحام وغیرہ۔ میں نے اپنی اُردو تصنیف "شرعی ضابطہ دیوانی" میں اس کو مفصل لکھا ہے۔ اگر مذکورہ ورثاء موجود نہ ہوں تو پھر میت کا کل ترکہ بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق بن جاتا ہے۔ یہ مختصر خاکہ ہے۔ اسلامی معاشی نظام کا یورپ اور امریکہ نے آخرت اور دین کو تو چھوڑا صرف روٹی کی تقسیم کا مسئلہ ہاتھ میں لیا لیکن اس تقسیم کا کیا نتیجہ ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ

"انسانوں کی نصف آبادی بھوک اور امراض میں مبتلا ہے"۔

قرآن نے اعلان کیا کہ۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ۔

کہ روٹی کی تقسیم ہم نے کی ہے۔

جس کی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی۔ اس لیے اسلام کے نظام معاشی کے دور میں نووی نے شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز مال کے لیے لوگوں کو بلاتے تھے لیکن کوئی نہ آیا۔ تقسیم رزق کا کام تھا اللہ کا۔ جب انسانِ ناقص نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا تو نصف دنیا بھوکی ہو گئی اور یہ یقینی بات ہے کہ جو کام کمشنر یا گورنر کے کرنے کا ہو۔ اس کو کوئی چپراسی ہرگز انجام نہیں دے سکتا، تو آئینِ تقسیم رزق جو خدا کا کام ہے۔ اس کو ضعیف انسان جو خدا سے بدرجہا کم اہلیت رکھتا ہے، کیسے انجام دے سکے گا۔ یورپ نے جب تقسیمِ رزق کا مسئلہ ہاتھ میں لیا تو لوگوں کو امید تھی کہ اب روٹی کی فراوانی ہو گی۔ لیکن ہوا کیا۔ بقول اکبرؔ

تھے فکر میں کیک کے سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی بڑی چیز سو چھوٹی بھی گئی

اپنی تو ہوئی وہی مثل اے اکبرؔ
پتلون کے فکر میں لنگوٹی بھی گئی

●

بقیہ : اداریہ

سے ملے گی۔ اس دور میں اس قسم کے صاحبانِ صدق و صفا کا وجود باجود اللہ کی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ لیکن افسوس کہ جہان رنگ و بو اس قدسی صفات لوگوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔

اس حادثہ کا ماتم کیسے کیا جائے؟ اور تعزیت کس سے کی جائے؟ ان کی اولاد یقیناً اس کی سب سے زیادہ مستحق ہے لیکن ان کے ہزاروں شاگرد بھی مستحق تعزیت ہیں۔ جنہوں نے اس سے کسب فیض کیا۔ ان سطور کے راقم پر ہی نہیں بلکہ پورے خاندان پر حضرت والا کی بے پناہ شفقتیں تھیں اور اس کا سبب والد بزرگوار کا ان سے سلسلہ تلمذ تھا۔ ان کی شفقت و محبت کا بھلانا ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

دوزخ کی ڈھال

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ (بخاری) روزہ رکھنا دوزخ کی ڈھال ہے

۵ دیکھنا روزے کا کتنا ہے ثواب
ٹال دیتا ہے جہنم کا عذاب



شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

شفقت، اصابتِ رائے، سلوک و ارشاد کے آئینہ میں ایک آپ بیتی

حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ کی زیارت سے میں لاہور ہی میں مشرف ہوا ہوں۔ اس سے پہلے اپنی تعلیم کے زمانے میں مراد آباد ہی سے اسم گرامی سنتا آیا تھا وہاں کے طلبہ جو دور دراز کے (صوبہ بہار وغیرہ کے تھے) دورۂ تفسیر پڑھنے لاہور آیا کرتے تھے۔

دیوبند میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور مدظلہم سے پہلی بار ملاقات ہوئی پھر لاہور میں ۱۹۵۳ء میں بتوسط مولانا حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

میں حضرت کی خدمت میں اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں صرف دعا کی درخواست کے لیے معمولاً حاضری دیتا رہتا تھا۔ اور بحمداللہ آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ حاضری کا مقصد صرف یہی ہوتا تھا۔ اس لیے ان دونوں گرامی قدر حضرات کے متوسلین کرام سے ان حضرات کی رحلت کے بعد مراسم ہوئے۔ ان کی خدمت میں حاضری دے کر فوراً ہی واپس چلا جاتا تھا۔

حضرت لاہوری قدس سرہ کی خدمت میں شروع میں زیادہ تر حاضری تو جامعہ مدنیہ کے لیے رہنمائی کے سلسلہ میں ہوتی رہی جس کی ایک خاص وجہ جامعہ کا ایک تاریخی موڑ تھا کہ اس کے لیے جگہ کی تلاش تھی۔ ہمارے کچھ مرحوم دوستوں نے ماڈل ٹاؤن میں جگہ کی پیش کش کی جو ہمارے اراکین نے مان لی۔

یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جامعہ مدنیہ کی ابتداء اس طرح اور اس غرض سے ہوئی تھی کہ عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو انگریزی زبان حساب۔ سائنس، جغرافیہ اقتصادیات، ایل ایل۔ بی کا کورس پڑھا کر کمیونزم کے مقابلے میں اور دنیا کے تمام قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قوانین کا موازنہ کرنے کے لیے اعلیٰ مبلغ تیار کیے جائیں۔ انھیں امتحانات نہ دلائے جائیں تاکہ ملازمتوں میں مصروف نہ ہوں اور فریضۂ تبلیغ سے جس کا انھیں اہل بنایا جا رہا ہے۔ غافل نہ ہونے پائیں اس کے لیے چار سالہ نصاب تجویز کیا۔ نیز اس دوران اس خیال سے کہ وہ علوم عربیہ دینیہ سے بے بہرہ نہ ہونے پائیں۔ ان کے لیے نہایت قابل عربی علوم کے مدرس رکھے گئے اور چار سالہ ایک خاص نصاب تجویز کیا گیا۔

جن دوستوں نے ماڈل ٹاؤن میں جگہ تجویز کی تھی وہ جامعہ کے بنیادی مقصد کو نہ سمجھ سکے۔ میں ہندوستان گیا وہاں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ ٹھہرا۔ واپس آیا تو ان حضرات نے اراکین کی بہت بڑی نئی باڈی تشکیل کر لی اور انہوں نے جو تجاویز طے کیں ان میں شروع سے طالب علم کو انگریزی تعلیم دلانا کر دیا ثانوی درجہ میں عربی تعلیم کر دی۔

میں نے یہ صورتِ حال حضرت کی خدمت میں رکھی ساتھ میں کچھ ممبران بھی تھے۔ خاص طور پر جناب غلام دستگیر صاحب تو ہر ملاقات میں لازماً ہوتے تھے۔ حضرت لاہوری قدس سرہ، نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں۔ مدرسہ ماڈل ٹاؤن نہ لے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ وہ اپنا مدرسہ خود ہی جدا نام سے چلائیں۔

ہم نے عرض کیا کہ یہ بات ان لوگوں سے جناب کا نام لے کر عرض کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نام لے کر صاف

کہہ دیں۔ جو صاحب ہمیں وہاں لے گئے تھے وہ مرحوم
حضرتؒ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ ان سے ہم نے یہ کہا
اور بالآخر ان کی کارروائیاں رک گئیں۔ رسید بکیں وغیرہ
روک دی گئیں۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کا نام "جامعہ سعیدیہ"
رکھا۔ اس میں ہمیں بھی ممبر رکھا اور ہم نے جامعہ کو علیحدہ کر
لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ حضرت لاہوریؒ کی اصابت رائے
کے ساتھ صلابت کی بھی بات تھی۔

ہمدردی میں آپ نے ہمیں بس نہیں کیا بلکہ آپ نے
ارشاد فرمایا کہ مدرسہ کا نظام امارت پر مبنی ہونا چاہیئے
آپ نے فرمایا کہ میرا چالیس سالہ تجربہ ہے کہ یہ لوگ جب کوئی
کام چلنے لگتا ہے تو اس میں دخل اندازی کرتے ہیں اور
وہ کام ختم ہو جاتا ہے انہیں تجربات کی بنا پر میں نے
انجمن خدام الدین کی بنیاد امارت پر رکھی ہے۔ میں نے
آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے اغراض و مقاصد اور
اصول و ضوابط ترتیب دیئے۔ اور پیش کئے۔ آپ نے اپنے
دست مبارک سے ان کی اصلاح فرمائی اور جہاں ضوابط میں
اس نقطۂ نظر سے غلطی ہوئی تھی وہاں تبدیلی فرمائی۔ ان
ہی ضوابط کو رجسٹرڈ کرایا گیا اور ان ہی پر اب تک جامعہ کا
نظام چل رہا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً واعظم اجرہٗ
اور یہ تحریر بفضلہ میرے پاس موجود ہے۔

یہ سب کام آپ نے کئے۔ اور پوری توجہ فرمائی تو ہم نے
درخواست کی کہ سرپرستی قبول فرمائیں لیکن آپ نے رسمی سرپرستی
کے بارے میں معذرت فرمائی۔ اگرچہ عملاً جو کچھ کوئی سرپرست کرتا
ہے وہ آپ ہمیشہ کرتے رہے۔ آپ کے لیے جامعہ کی شوریٰ کے
اجلاس وغیرہ میں شرکت متعذر تھی۔

خدام الدین کا کام بہت زیادہ تھا۔ واردین و صادرین کی
کثرت تھی جن میں سالکین زیادہ ہوتے تھے۔ استعفار بھی ہوتے
تھے اور عمرہ کا سفر بھی فرماتے تھے۔ اسفار

خدام الدین کی طرف اتنی توجہ بھی فرماتے تھے کہ
میں خود مضامین انتخاب کرتا ہوں اور غیر معیاری مضامین
کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا کہ میں صفحہ کے صفحے قلمزد کر
دیتا ہوں توجہ اس طرف تھی کہ مضمون بہت سادہ زبان
میں ہو جسے کم سے کم پڑھا لکھا آدمی بھی پڑھے اور سمجھے اور
عورتیں بھی گھروں میں پڑھیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ وقت کی اس قدر پابندی فرماتے
تھے کہ منٹوں اور سیکنڈوں کا بھی فرق نہیں آنے دیتے تھے
ہر نماز کے وقت دروازہ کھلتا تھا اور جماعت سے پہلے صف
اوّل میں امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ پابندی اوقات کا
مشاہدہ روزمرہ کے معمولات میں ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ سب ملنے
والے اور وابستگان جانتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا سید داؤد غزنوی
صاحب کے یہاں ایک میٹنگ تھی میں نے دیکھا کہ آپ وہاں
میٹنگ کے وقت سے پانچ یا سات منٹ پہلے پہنچے۔ مولانا
ابوالحسنات رحمۃ اللہ بھی تشریف لانے والے تھے لیکن وہ
بہت بعد میں تشریف لائے اسی طرح بعض اور بھی شرکاء
آئے اور میٹنگ ان کی آمد تک موقوف رہی"۔

آپ کی پابندی اوقات بھی ہم سب کے لیے ایک درس ہے
آپ خدام الدین کا کام یکسوئی سے انجام دینے کے لیے حاجی
دین محمد صاحب کے برف خانہ میں تشریف لے جاتے تھے،
انہوں نے آپ کے لیے ایک کمرہ مختص کر دیا تھا اور
اس کے برابر والا کمرہ نماز با جماعت کے لیے۔ وہاں ملاقاتی
لوگ نہیں جاتے تھے۔ ہم نے بارہا ایسا کیا کہ وہاں ملنے کے
لیے گئے۔ اور ملاقات سے مشرف ہوئے البتہ ہم خود بھی
ایسا کرتے رہے کہ نماز کے وقت جاتے تھے اور جماعت
کے بعد ضرورت کی بات کر لیتے تھے آپ نے وہاں
پہنچنے سے اور ملنے سے کبھی اشارۃً بھی منع نہیں فرمایا۔

ہم نے بھی ضرورت سے زیادہ کبھی بات نہیں کی اور
کبھی فقط زیارت ہی کے لیے جانا ہوا تو فقط ملاقات و
مصافحہ اور خیریت دریافت کرنے ہی پر اکتفا کیا۔ بہرحال
یہ معاملہ بھی آپ کی مرحمت و شفقت ہی میں داخل ہے
ورنہ اس قدر اصول کی پابند شخصیت ایسی حرکت کی
اجازت نہیں دے سکتی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے اس موجودہ شکل میں احیاء
کا کام حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں اس طرح ہوا ہے
کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں احتشام الحق تھانوی
کے حکمران ٹولہ کے ساتھ اتنے زیادہ قریبی اور گہرے
تعلقات تھے کہ جن کی وجہ سے ان کی ذات بڑی طرح
مجروح ہو گئی اور جمعیۃ علماء اسلام کا قدیم ڈھانچہ بے جان
ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی محمود

صاحب مدظلہم کو توفیق مرحمت فرمائی

انہوں نے ... معارف کا انتظام کیا اور
حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کی اعانت سے ملتان میں
پہلی بار مغربی پاکستان کی سطح پر علماء کے بہت بڑے اجتماع
کا انتظام فرمایا۔ اس پر مجھے بھی مدعو فرمایا تھا۔

علماء کی از سر نو تنظیم پر سب کا اتفاق تھا البتہ
اس کے نام پر بہت بحث ہوتی رہی بالآخر "جمعیتہ علماء اسلام"
ہی نام تجویز ہوا۔ حضرت مولانا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نے بھی۔ مولانا عبدالحنان صاحب ہزارویؒ اور مولانا محمد نعیم
صاحب لدھیانوی جو قدیم جمعیتہ علماء ہند کے لنظماء وغیرہ رہتے
آئے تھے وہ بھی شریک تھے اور عہدہ دار بھی ہوئے۔ بہرحال
جمعیتہ علماء اسلام کا از سر نو انتخاب عمل میں آیا اور حضرت
لاہوریؒ امیر قرار پائے۔

اس کے بعد بھی جمعیتہ کی مجالس میں ہی شریک ہوتا رہا
حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم بھی
شرکت فرمانے لگے۔ اور بالآخر حضرت لاہوریؒ کی وفات
کے بعد آپ امیر قرار پائے۔

اس اجمالی تاریخ کے ذکر کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں
کہ جمعیتہ کی مجالس میں بسا اوقات اختلاف رائے ہو جاتا تھا
ایک دفعہ ایسے ہی اختلاف کے وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ میں
ساتھیوں کے سامنے اپنی رائے رکھ دیتا ہوں لیکن اگر ان
کی رائے مجھ مختلف ہو تو جو طے ہو جاتا ہے پھر میں اس
کی پوری طرح پابندی کرتا ہوں" حضرت نے یہ بات یوں
ہی نہیں فرما دی تھی بلکہ حقیقتاً آپ کا یہی طریق تھا۔

آپ کے اس ایک اصول میں غلام غوث ہزاروی صاحب
اور ان جیسے مزاج والوں کے لیے عظیم درس ہے۔ اور یہی
اصول اسی آیت مبارکہ میں تعلیم فرمایا گیا ہے۔ وشاورھم
فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ
یحب المتوکلین

اور "اعجاب کل ذی رائی برایہ" کہ ہر صاحب رائے کو
اپنی ہی رائے سب سے اچھی لگنے لگے۔

حدیث پاک میں اسے سامان بربادی قرار دیا گیا ہے۔
والعیاذ باللہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اقدس مولانا السید
حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے جیسا والہانہ تعلق تھا اس
کی مثال مشکل سے ملے گی، ہفتہ میں دو ایک بار بھری مجلس میں
ضرور تذکرہ فرماتے تھے وہ بھی ایسے عجیب انداز سے کہ جو
ان کا ہی حق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جمعیتہ علماء ہند کی مجالس
شوریٰ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے میں چار چار گھنٹے
دو زانو بیٹھا رہتا تھا حالانکہ آپ کو جوڑوں کی تکلیف کا عارضہ
تھا۔۔۔ اور سچ پوچھ ... ایسی محبت وعقیدت رکھنے والا شاید
ہی کوئی اور ہو کہ اپنے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا عبیداللہ
انور صاحب سے فرمایا کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت مدنیؒ کی
جوتیوں میں سلوا دینا اور جلسہ عام میں فرمانا کہ جو علم حسین احمد
مدنی کی جوتیوں میں ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔
پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جو گرامی نامہ
آیا تھا وہ آپ نے فریم کرا کر رکھا تھا۔

کیوں کہ آپ نسبت قادریہ کے اثرات میں سے کشف
کی حالت کا غلبہ تھا اور اس میں بھی اظہار غالب تھا اس
لیے آپ کشفی حالات برملا بتلاتے رہتے تھے۔

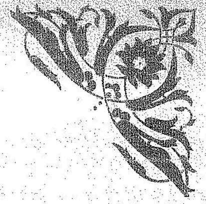
ایک دفعہ شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا کہ "مجھے اولیاء
اللہ کے باطن دیکھنے کا شوق ہے اور میں حج کے موقع پر
ایسا کرتا رہتا ہوں میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ
حضرت مدنیؒ جیسا دنیا میں، میں نے کوئی نہیں دیکھا ان
جیسا کوئی صاحب باطن نہیں ہے"

ایک مرتبہ آپ نے ایک صاحب کو بیعت فرمایا۔
انھیں جو نصیحت فرمائی وہ نہایت قیمتی تھی مجھے اتنی
اچھی لگی کہ آج تک یاد ہے کہ "اگر دوسرے کو نفع نہ پہنچا
سکو تو اس بات کا پورا لحاظ رکھو کہ کم از کم تم سے کسی
کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

حدیث شریف میں ارشاد ہے
المسلم من سلم المسلمون بلسانہ ویدہ
کامل مسلمان وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور
زبان کے ضرر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک دفعہ آپ نے ایک سالک کو ھو الاول و
الاخر والظاھر والباطن
کا مراقبہ تعلیم فرمایا۔ تو اس میں تشریح کرتے اور

(باقی ص ۶۷ پر)

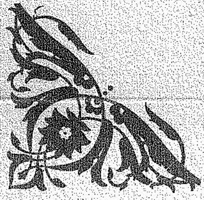



خطبہ جمعہ

رمضان المبارک

۳ رمضان المبارک — ۱۳۹۷ھ

رحمت، مغفرت اور بخشش کا مہینہ




از

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مد ظلہم

اَعوذُ باللہ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

شَہرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنزِلَ فِیہِ القُراٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الھُدٰی وَالفُرقَانِ۔ فَمَن شَہِدَ مِنکُمُ الشَّہرَ فَلیَصُمہُ۔ وَمَن کَانَ مَرِیضًا اَو عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّن اَیَّامٍ اُخَرَ۔ یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الیُسرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ العُسرَ وَلِتُکمِلُوا العِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُم وَلَعَلَّکُم تَشکُرُونَ۔

(پ ۲، رکوع ۷)

محترم سامعین! دو ایسی چیزوں کا وجود شاید ہی کہیں ہو جن میں کوئی فرق اور کسی قسم کا تفاوت نہ ہو اور ان میں باہم رنگ، نسل، مرتبہ، منصب، عمر، عادات غرض ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے مکمل یکسانیت اور مطابقت پائی جاتی ہو۔

آپ جتنا زیادہ غور کریں گے یہ حقیقت اسی قدر زیادہ واضح اور مبرہن ہوتی جائے گی کہ قدرت نے تمام اشیاء کو کسی نہ کسی اعتبار سے ضرور ایک دوسرے سے ممیز کیا ہوا ہے۔ اور سب میں باہم فرق اور تفاوت موجود ہے۔

ع خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

مختلف النوع اور مختلف الجنس اشیاء میں فرق کے ذکر کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ وہ اظہر من الشمس ہے۔ رات اور دن کے فرق کا کون منکر ہے، چوپایوں اور انسان میں فرق سے کس کو اختلاف ہے، زمین اور آسمان میں زمین و آسمان کا فرق کس کو نظر نہیں آتا۔

ہم آپ کی توجہ اس وقت ان اشیاء کے فرق کی طرف مبذول کراتے ہیں جو ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں بظاہر ہر طرح یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔

مثال کے طور پر جوانب و اطراف میں سے دایئں اور بایئں جانب کو لے لیجئے اور سب سے پہلے اپنے ہی جسم کے دونوں جانبوں (دایئں اور بایئں) کا باہم فرق ملاحظہ کیجئے۔ دایاں ہاتھ اور بایاں ہاتھ دونوں ایک ہی جسم کے حصے ہیں۔ اور شکل وصورت کے لحاظ سے بھی دونوں میں عموماً کوئی فرق نہیں ہوتا، اسی طرح دایاں پاؤں اور بایاں پاؤں بھی ایک ہی جسم کے دو عضو ہیں۔ اور ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے بھی دونوں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مرتبہ اور فضیلت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں باہم فرق ہے۔ دایئں ہاتھ کو بایئں ہاتھ پہ اور دایئں پاؤں کو بایئں پاؤں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

دیکھئے! مسجد میں جانے والے کے لیے حکم ہے کہ پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھے۔

جوتا پہلے دایئں پاؤں میں پہننا مسنون ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اِذَا انتَعَلَ اَحَدُکُم فَلیَبدَأ بِالیُمنٰی یعنی تم سے جب کوئی جوتا پہنے تو دایئں جانب سے پہل کرے۔

اسی طرح قمیص پہننے کی ابتداء بھی دایئں طرف سے کرنی سنت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِیْصًا بَدَأَ بِمَیَامِنِہٖ ، جب آپ قمیص مبارک پہنتے تھے تو دائیں جانب سے ابتدار فرماتے تھے۔

وضو میں بھی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے پہلے دھونا اور دایاں پاؤں بائیں پاؤں سے پہلے دھونا مسنون ہے۔ یُسَنُّ فِی الْوُضُوْءِ الْبَدَاءَۃُ بِالْمَیَامِنِ۔ (وضو میں دائیں اعضار سے پہل کرنی مسنون ہے) نماز سے فارغ ہوتے وقت دائیں طرف پہلے سلام پھیرنا آیا ہے۔

گویا یہ قاعدہ ہوا کہ افضل اور بہتر کام کی ابتدار کرنا دائیں عضو سے مسنون ہے اور جو کام فضیلت نہیں رکھتا اس کی ابتدار بائیں سے مسنون ہے۔ جیسے مسجد ایسے محترم و مقدس مقام میں داخل ہونا یقیناً افضل اور بہتر عمل ہے۔ اس لیے ابتدار دائیں پاؤں سے کی جاتی ہے۔ یعنی پہلے دایاں پاؤں اندر رکھا جاتا ہے اور مسجد سے باہر نکلنے میں کوئی فضیلت نہیں اس لیے بایاں پہلے نکالا جاتا ہے۔ ایسے ہی بیت الخلار جو گندگی اور نجاست کا مقام ہوتا ہے۔ وہاں بایاں پاؤں پہلے داخل کیا جاتا ہے۔ اور نکلتے وقت دایاں پہلے نکالا جاتا ہے۔

اسی طرح جو کام پست اور خسیس ہوتے ہیں، وہ بائیں ہاتھ سے کرنے مسنون ہیں، جیسے استنجار وغیرہ۔ اور جن کاموں میں خفت اور حقارت نہ ہو بلکہ افضلیت ہو، وہ دائیں سے کرنے مسنون ہیں۔ جیسے کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا مسنون ہے، وغیرہ۔

محترم حضرات! یہ فرق ہمارے جسم کے دائیں بائیں تک ہی محدود نہیں، بلکہ قریب قریب دائیں کو بائیں پہ ہر جگہ اور ہر موقع پر تفوق و برتری اور شرف و فضیلت حاصل ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ۔ یعنی داہنے والے، کیا خوب ہیں داہنے والے، اور بائیں والے کیا بُرے لوگ ہیں بائیں والے۔

اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ وہ خوش قسمت اور نیک بخت ہوں گے جنھیں عرش کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ اور ان کا نامۂ اعمال بھی دائیں ہاتھ میں انھیں دیا جائے گا۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَیَقُوْلُ ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں، وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا۔

اور اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ وہ بدبخت و بدنصیب ہوں گے جنھیں عرش کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔ اور ان کے اعمالنامے بھی بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَہْ۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا لکھا میرا۔

قرآن میں جگہ جگہ اصحٰبُ المیمنۃ (داہنی جانب والوں) کی تعریف و توصیف آئی ہے اور ان کے انعامات کا تذکرہ آیا ہے۔ اور اصحابُ المشئمۃ (بائیں جانب والوں) کی برائی اور ان کی مصیبتوں کا ذکر آیا ہے۔

حاصل یہ کہ دائیں جانب اور بائیں جانب میں فرق ہے۔ دائیں کو بائیں پہ بڑی فضیلت اور برتری بخشی گئی ہے۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

حضراتِ گرامی قدر! دائیں اور بائیں کے فرق کی مفصل وضاحت کے بعد آپ دوسری چیزوں میں فرق اور امتیاز دیکھیے۔ جو نہایت اختصار کے ساتھ عرض ہے۔

ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں، ان ساتوں دنوں میں جو عظمت اور اعزاز جمعہ کو حاصل ہے وہ کسی اور دن کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہ دن سید الایام کہلاتا ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

تو ایام میں بھی باہم فرق اور تفاوت موجود ہے۔

قُرُوْن (زمانے) بھی ہم رتبہ نہیں ہیں بلکہ باہم متفاوت درجات رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے اور پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے۔

گویا کوئی قرن (زمانہ) حضورؐ کے زمانے کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور آپؐ کے دورِ مسعود کے بعد حضراتِ صحابہؓ کے عہدِ زریں کو تمام ادوار و قرون پر فوقیت حاصل ہے۔ تو زمانوں میں بھی فرق پایا گیا۔

اللہ کے رسول اور پیغمبر بھی یکساں رُتبے نہیں رکھتے۔ بلکہ ارشاد ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

تمام انبیار کرام علیہم السلام میں جو جلالتِ شان اور شرف و مجد سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو ملا ہے۔

وہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں ملا۔ (یختص برحمتہ من یشاء)
کسی نے خوب کہا ہے۔ ع

تو مہر منیری ہمہ اختر اند

اسی طرح تمام انبیاء باہم کم زیادہ رتبے رکھتے ہیں۔ تو انبیاء و رسل میں بھی فرق واضح ہے۔

زمین کے حصوں اور ٹکڑوں میں بھی فرق موجود ہے۔ زمین کے جس حصّہ پر مسجد تعمیر کی گئی ہو اس کا رتبہ زمین کے ان حصوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جن پر کھیتی باڑی ہوتی ہے یا جن پر بازار وغیرہ بنائے گئے ہوں۔ بلکہ زمین کا وہ حصّہ جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے متصل ہے نہ صرف زمین کے تمام حصّوں سے افضل ہے بلکہ عرشِ عظیم سے بھی برتر ہے ۔

علو زمینِ مزار اللہ اللہ
کہ ہے عرشِ اعظم نثار اللہ اللہ

ایسے ہی فرشتوں میں، اللہ کی کتابوں میں، صحابہؓ میں، غرض ہر جگہ اور ہر طبقہ میں فرق موجود ہے۔ اور ہمیں اس فرق کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

محترم حضرات! جیسے جوانب و اطراف میں فرق ہے۔ کتابوں اور رسولوں میں فرق ہے۔ دنوں اور زمانوں میں فرق ہے۔ ایسے ہی مہینوں میں بھی فرق موجود ہے۔

سال کے بارہ مہینوں میں جو عظمت اور فضیلت رمضانِ مقدس کو حاصل ہے وہ اور کسی مہینے کو نہیں عطا کی گئی۔

سال کے تمام مہینوں میں صرف اسی کا ذکر حق جلّ مجدہٗ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ: رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی نہیں بلکہ زبور، تورات، انجیل اور صحف ابراہیم وغیرہ بھی اسی مقدس مہینے میں نازل ہوئے۔

یہی وہ جلیل الشان مہینہ ہے جس کی آمد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا:

اے لوگو! تمہارے اوپر ایک مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے جو عظیم اور مبارک ہے۔ اس میں ایک رات (ایسی) ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس مہینہ کے روزہ کو اللہ نے فرض فرمایا۔ اور اس کی رات میں قیام (تراویح) کو نفل قرار دیا (جو بہت بڑے ثواب کا باعث ہے)۔

اس مہینے میں جو شخص کسی نیکی (نفلی عبادت) کے ساتھ قرب خداوندی حاصل کرے تو ایسا ہے جیسے اس مہینے کے علاوہ فرض ادا کیا۔ اور جس نے اس مہینہ میں فرض عبادت کو کیا وہ ایسا ہے جیسے اس مہینے کے علاوہ ستّر فرض ادا کرے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب اور ثمرہ جنت ہے۔ الخ۔

حضرت عبادہؓ ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان بہت برکت کا مہینہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ خطاؤں کو معاف اور دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔ اور تمہارے تنافس یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کو دیکھتے اور تمہارے اس تنافس پر ملائکہ کے سامنے فخر کرتے ہیں۔ سو تم اللہ تعالیٰ کو نیکی دکھاؤ۔ بدبخت ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو۔

احادیث میں اس محترم اور بابرکت مہینے کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اس مبارک مہینے کو باقی مہینوں پر اتنی فوقیت حاصل ہے جتنی سورج کو تاروں پر۔ صحابہ، صلحاء، اتقیاء، علماء، اولیاء حتی کہ خود فخرِ کائنات اس مبارک مہینہ کی آمد کا انتظار فرماتے۔ اس لیے کہ انھیں معلوم تھا کہ اس مہینے میں نیکیوں کی قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اس کی ایک ایک ساعت کی قدر کرنی چاہیے۔ اور اس مہینے کی تکریم اور احترام نہ کرنے والے کو جو عذاب ملے گا اس سے ڈرنا اور بچنا چاہیے۔

ہم مارشل لاء انتظامیہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جو سرپھرے اور بے حیاء رمضان المبارک کا احترام نہیں کرتے اور سرِعام کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے کہ یہ بے شرم و بے حیا کسی رعایت کے قطعاً سزاوار نہیں۔

بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ لَوْ أَكَلَ عَمْدًا شُهْرَةً بِلَا عُذْرٍ يُقْتَلُ۔ یعنی جو شخص رمضان میں بلا عذر قصداً کھلے بندوں کھاتے پیتے اسے قتل کردیا جاتے۔

بہرحال رمضان المبارک کا مہینہ بہت عظیم الشان مہینہ ہے جو چند ہی روز میں جلوہ فگن ہونے والا ہے۔

اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ جو ایک مجلس میں بیان نہیں کئے جا سکتے

اس کی ایک ایک ساعت بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اس مہینے میں چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اتنا اجر ملتا ہے کہ دوسرے مہینوں میں بڑی بڑی نیکیوں کا بھی اتنا اجر نہیں ملتا۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے قصداً اور بلا عذر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا پھر چاہے وہ ساری عمر روزے رکھتا رہے اس روزے کا بدل نہیں ہو سکتے۔ یعنی اُسے عمر بھر کے روزوں سے بھی وہ برکت و فضیلت حاصل نہ ہوگی جو اُسے رمضان میں صرف ایک روزہ سے میسر آ سکتی تھی۔

غور فرمایئے کتنا تفاوت ہے اور کتنا فرق ہے رمضان اور دیگر مہینوں میں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس مہینہ کے احترام و تکریم کی توفیق بخشے۔ آمین۔